معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

جولائی تا ستمبر 2014ء | 21 | جلد 6 | شمارہ 1

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج عبدالحسین معزّی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخن مدیر	جعفر علی نجم	3
اسلامی بیداری کی عالمی کانفرنس میں شریک اساتذہ سے رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ	5
دُعائے ابوحمزہ ثمالی، ایک نظر میں	حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی	15
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ	26
اولاد کی تربیت، والدین کا فریضہ	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	42
اعتکاف، خلوت میں اُنس	حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی	54
عدمِ تحریف قرآن	حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری	63
خصائص علوم اہل بیتؑ	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	80
حضرت امام محمد تقیؑ	علامہ سیّد علی نقی نقوی (نقن)	103
شرح چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	114

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

انیسویں تاریخ کی لکھی ہے یہ اخبار مسجد میں گئے بہر عبادت شہہ ابرار
جب سجدہ اوّل میں گئے حیدر کرارؑ قاتل نے لگائی سر پُرنور پر تلوار
سر ہو گیا دو ٹکڑے محمدؐ کے وصی کا
پھر دوسرے سجدے کو اُٹھا سر نہ علیؑ کا

(میر انیسؒ)

الحمدللہ، سہ ماہی ثقلین کا ایک اور شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ ماہ مبارک رمضان کی آمد آمد ہے۔ خداوند متعال سے دُعا ہے کہ اس عظیم ماہ کی برکتوں اور رحمتوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج دنیا بھر میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات ہماری ذمہ داریوں میں اضافہ کررہے ہیں۔ ایک طرف عالمی استعماری طاقتوں کا مسلمانوں کے خلاف اتفاق و اتحاد اور دوسری جانب مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم اور خاص طور پر مسلمانوں کے سربراہوں کی غفلت نے امت اسلامی کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے کہ اب عالمی استکباری طاقتوں کو زیادہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں میں ہی سے مٹھی بھر خشک ومقدس اور خوارج صفت لوگوں کو مختلف ناموں اور تنظیموں کی صورت میں مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

آج دنیا بھر میں سنی وشیعہ اختلاف کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف ممالک میں کچھ ٹی وی چینلز کو ذمہ داری سونپ دی گئی ہے کہ ان بعض مختصر فقہی اور تاریخی اختلافات کو ہوا

دے کر شیعہ وسنی خلیج میں اضافہ کیا جائے۔ حالانکہ دونوں مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اس فتنہ کی حقیقت سے واقف ہیں اور دشمن کی مکاری اور سازش کو بھانپ چکے ہیں، لہٰذا ان مٹھی بھر مسلمان نما استعماری گماشتوں کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس ماہ مبارک میں خصوصیت کے ساتھ عالم اسلام کو درپیش تمام مسائل کے بارے میں دُعا فرمائیں۔ خاص طور پر مقامات مقدسہ کی حفاظت اور عراق کے تمام مسلمانوں اور خاص طور پر حیدر کرارؑ کے ماننے والوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کیلئے دُعا فرمائیں۔

آخر میں ہم اپنے تمام قارئین کرام کے شکر گزار ہیں کہ جو رسالہ ''صدائے ثقلین'' کے بارے میں حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر ہم جناب مولانا سید ریاض حسین صفوی صاحب کے ممنون ہیں کہ جنہوں نے محنت اور نہایت ہی جانفشانی سے سہ ماہی صدائے ثقلین کی تدوین و طباعت میں مدد فرمائی ہے۔

ہمیں قارئین محترم اور خاص طور پر علمائے کرام کے مفید اور قیمتی مشوروں نیز آراء و تجاویز کا پھر بھی انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

والسلام

جعفر علی نجم

(30/جون 2014ء)

*****

اسلامی بیداری کی عالمی کانفرنس میں شریک یونیورسٹیوں کے اساتذہ سے رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا خطاب[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں سب سے پہلے مختلف ممالک سے آنے والے معزز مہمانوں اور اسی طرح ایران کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو خوش آمدید عرض کرتا ہوں۔ ڈیڑھ سال سے اب تک اسلامی بیداری کے موضوع پر متعدد اجلاس اور نشستیں منعقد ہو چکی ہیں، لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ اساتذہ کے اجلاس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ معاشرے کے اندر ایک نئی فکر اور نئی تحریک کی تخلیق معاشروں کے خاص افراد کے ہاتھوں عمل میں آتی ہے، یہ معاشرے کے علماء اور دانشوروں کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ وہی کسی قوم کے فکری رجحانات کو خاص سمت و جہت عطا کر سکتے ہیں جو قوموں کی نجات کی ضمانت بن جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ معاشرے کو ایسی سمت میں بھی لے جا سکتے ہیں جو قوم کی تباہی، بربادی و بدبختی کا باعث ہو۔ بدقسمتی سے یہ دوسری صورت حال گزشتہ ستر (۷۰) اسی (۸۰) برسوں کے دوران دنیا کے بعض ممالک منجملہ خود ہمارے ملک میں حکم فرما رہی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے:

لَا تَصْلَحُ عَوَامُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِخَوَاصِّهَا. قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَ مَنْ خَوَاصُّهَا؟ قَالَ: اَلْعُلَمَآءُ

(اس امت کے عوام کی اصلاح صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب اس کے خواص کی اصلاح ہو جائے۔ کہا گیا: یا رسول اللہؐ! خواص کون لوگ ہیں؟ فرمایا: علماء)۔[2]

---

[1] یہ خطاب 11 دسمبر 2012ء کو تہران میں کیا گیا۔ (بشکریہ از: www.leader.ir)

[2] مواعظ عددیہ، ص ۳۳۶۔ (الفاظ میں مختصر ردوبدل کے ساتھ)

آپؐ نے سب سے پہلا نام علماء کا لیا، اس کے بعد مزید چند اصناف کا ذکر کیا ہے۔ مختصر یہ کہ یونیورسٹی کے اساتذہ، دانشور اور مفکر طبقہ کسی بھی ملک میں عوام کو خاص سمت میں لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ البتہ اس کیلئے اخلاص کی شرط ہے، شجاعت کی شرط ہے اور دشمنوں سے نہ گھبرانا شرط ہے۔ اگر خوف پیدا ہوجائے، اگر لالچ پیدا ہوجائے، اگر غفلت اور سستی برتی جائے اور کاہلی وتساہلی سے کام لیا جائے تو پھر سب کچھ خراب ہوجائے گا۔ اگر خوف کو قریب نہ آنے دیا جائے، شجاعت سے کام لیا جائے، حرص وطمع کو اختیار نہ کیا جائے، غفلت سے کام نہ لیا جائے، ہوشیار و بیدار رہا جائے تو سارے کام حسن وخوبی کے ساتھ انجام پائیں گے۔

انقلاب کے آغاز میں، (اکتیس، بتیس سال پہلے) میں ایک نہایت اہم مسئلہ میں مشورے کیلئے انقلابی کونسل کے دو ارکان کے ہمراہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات کیلئے قم گیا۔ آپ اس وقت قم میں تشریف فرما تھے، ابھی تہران تشریف نہیں لائے تھے۔ ہم اس مسئلہ میں آپ سے مناسب اقدام کیلئے ان کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب ہم نے صورت حال سے آپ کو آگاہ کیا تو آپ نے ہم سے سوال فرمایا کہ کیا آپ لوگ امریکہ سے ڈرتے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ: جایئے اور اپنا اقدام شروع کیجئے۔ ہم نے ویسا ہی کیا اور کامیابی بھی ملی۔ اگر ہمارے اندر خوف پیدا ہوجائے، حرص وطمع پیدا ہوجائے، غفلت کی کیفیت پیدا ہوجائے اور اگر انحرافی رجحان پیدا ہوجائے تو کاموں کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے میں مشکل ہوجائے گی۔

آج دنیا کو ایک عظیم واقعہ کا سامنا ہے۔ یہ عظیم واقعہ اسلامی بیداری ہے۔ یہ ایک اٹل اور فیصلہ کن حقیقت ہے۔ مسلم اقوام اور اسلامی قومیں بتدریج بیدار ہورہی ہیں۔ اب مسلمان قوموں کو غلامی کی زنجیر میں جکڑنا اتنا آسان نہیں رہا جیسا پہلی عالمی جنگ کے بعد اور انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران تھا۔ دنیا کی استکباری اور سامراجی طاقتیں اگر آج مسلم اقوام پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہیں تو یہ ان کیلئے آسان کام نہ ہوگا۔ امت مسلمہ میں بیداری کی لہر پیدا ہوچکی ہے، اسلامی بیداری ان کے اندر اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ کچھ ملکوں میں یہ بیداری انقلاب میں تبدیل ہوگئی اور بدعنوان اور امریکی پٹھو حکومتوں کے سربراہ سرنگوں

ہو گئے۔ البتہ ابھی اسلامی بیداری کا صرف ایک حصہ سامنے آیا ہے، یہ یہیں تک محدود نہیں رہے گی۔ اسلامی بیداری کا دائرہ بہت وسیع اور اس کی جڑیں بہت ہی عمیق اور گہری ہیں۔

دشمن، اسلامی بیداری کے نام سے ہی پریشان اور ہراساں ہے۔ اس کی یہی کوشش ہے کہ اس عظیم تحریک سے اسلامی بیداری کے عنوان کو الگ کر دے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب اسلام اپنی حقیقی شکل میں اور پورے آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوتا ہے تو دشمن طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ انہیں ڈالروں کے غلام اور ڈالروں پر فریفتہ ہونے والے اسلام سے کوئی خوف نہیں ہے۔ بدعنوانی اور عیش و عشرت میں غرق اسلام سے انہیں کوئی ڈر نہیں ہے۔ انہیں اس اسلام سے کوئی خطرہ نہیں جو مسلمانوں کی زندگی اور ان کے طرز عمل میں موجود نہ ہو۔ ہاں اگر عمل کی صورت اختیار کر جانے والا اسلام، مسلمانوں کے دلوں پر چھا جانے والا اسلام، اللہ پر توکل کا درس دینے والا اسلام، اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین رکھنے کی تلقین کرنے والا اسلام انہیں مضطرب اور پریشان کر دیتا ہے۔ ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾[1]۔ اگر اس اسلام کے آثار کہیں دکھائی پڑ جائیں تو دنیا کی استکباری اور سامراجی طاقتیں پیچ و خم کھانے لگتی ہیں۔ «﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝﴾»[2] یہی وجہ ہے کہ وہ اس تحریک کو اسلامی بیداری کا نام دیئے جانے پر بوکھلا جاتی ہیں۔

تاہم ہمارا یہی مؤقف ہے کہ یہ اسلامی بیداری ہے۔ یہ حقیقی بیداری ہے جو لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں سما گئی ہے، دور دور تک پھیل گئی ہے اور جسے دشمن آسانی کے ساتھ اغوا نہیں کر سکتے۔ البتہ ضروری ہے کہ کمزوریوں اور خامیوں کی نشاندہی کی جائے۔ یہی وہ پہلا نکتہ ہے جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں۔ عالم اسلام کی ان تحریکوں کی، مصر، تیونس، لیبیا اور دیگر ممالک میں رونما ہونے والے انقلابات کی کمزوریوں کی نشاندہی کیجئے۔ انہیں لاحق خطرات کا تعین کیجئے۔ ان کی مشکلات کو پہچانا جائے۔ جو انقلاب آئے ہیں انہیں ہم اسلامی انقلاب کیوں قرار دے رہے ہیں؟ آپ لوگوں کے نعروں پر غور کیجئے۔ اس پوری مدت میں بدعنوان حکومتوں کی سرنگونی کے عمل میں اسلام پسند گروہوں کے کلیدی

---

[1] سورۂ حج، آیت ۴۰۔ ترجمہ: ''اور اللہ اپنے مددگاروں کی یقیناً مدد کرے گا''۔

[2] سورۂ مدثر، آیت ۵۰۔۵۱۔ ترجمہ: ''گویا بھڑکے ہوئے گدھے ہیں، جو شیر سے بھاگ رہے ہیں''۔

کردار پر غور کیجئے! اگر اسلام پر گہرا عقیدہ رکھنے والے، اگر عوام کے اندر گہرے اسلامی نظریات کے حامل افراد نہ ہوتے تو مصر اور تیونس میں یہ عظیم اجتماعات منعقد نہ ہوتے۔ جن لوگوں نے اپنی تحریک اور اپنی عظیم افرادی قوت کے ذریعے حسنی مبارک اور زین علی کے اقتدار کے ایوانوں کو زلزلے کی نذر کر دیا، وہ مسلمان عوام تھے جن کی زبانوں پر اسلامی نعرے تھے۔ ان بدعنوان حکومتوں کے سقوط میں اسلام پسند حلقوں کا کلیدی کردار بہترین دلیل اور بین ثبوت ہے کہ یہ تحریکیں اسلامی تحریکیں ہیں۔ اس کے بعد جب بھی ووٹنگ کا مسئلہ آیا عوام نے اسلام پسند رہنماؤں کو ووٹ دیا، ان کی حمایت کی اور انہیں ترجیح دی۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آج پورے عالم اسلام میں آزادانہ انتخابات کرائے جائیں اور مسلم رہنما انتخابی میدان میں موجود ہوں تو شاید چند معدود لوگوں کے علاوہ ہر جگہ عوام اسلام پسندوں کو ہی منتخب کریں گے۔ یہی صورت حال ہر جگہ ہے۔ بنابریں اس تحریک کے اسلامی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔

ہم نے کمزوریوں اور خطرات کو پہچاننے کے بارے میں بات کہی۔ کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ ہی اہداف کا بیان کر دیا جانا بھی ضروری ہے۔ اگر اہداف بیان نہ کئے گئے تو تذبذب کی کیفیت پیدا ہوگی، آشفتگی وانتشار کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اہداف کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

اس بیداری کا ایک اہم ترین ہدف عالمی استکبار کے شر پسند تسلط سے آزادی اور رہائی ہے۔ اس کو پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرنا چاہیے۔ اگر ہمارا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے امریکہ کی قیادت میں عالمی استکبار اسلامی تحریک کو تسلیم کر لے تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔ جہاں اسلام ہوگا، اسلام پسندی ہوگی، اسلام نواز لوگ ہوں گے وہاں امریکہ کی انہیں راستے سے ہٹانے کی پوری کوشش ہوگی۔ البتہ ممکن ہے کہ اس کے ہونٹوں پر ظاہری مسکراہٹ بھی نظر آئے۔ اسلامی تحریکوں کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ اپنے فرق کو نمایاں رکھیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ امریکہ کے خلاف جنگ شروع کر دیجئے! ہم صرف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی تحریکوں کے سلسلے میں امریکہ اور مغربی استکبار کی سوچ اور موقف کیا ہے۔ اسے وہ خوب سمجھ لیں۔ اگر انہوں نے اس کو نہ سمجھا تو یقینی طور پر دھوکہ اور فریب کا شکار ہو جائیں گے اور دشمن کے مکر وفریب کے جال میں پھنس جائیں گے۔

اس وقت عالمی استکباری طاقتیں، دولت، ثروت، ہتھیار اور علم کے ذریعہ دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں لیکن وہ فکری خلا سے دوچار ہیں۔ رہنما افکار کے خلا میں مبتلا ہیں۔ یہ عالمی استکباری طاقتوں کے سامنے بہت بڑا بحران ہے۔ ان کے پاس بشریت کے سامنے پیش کرنے کیلئے کوئی نیا نظریہ نہیں ہے۔ ان کے پاس لوگوں کی نظروں کے سامنے، دانشوروں اور روشن فکر افراد کے سامنے پیش کرنے کیلئے کوئی نظریہ نہیں ہے۔ مگر آپ کے پاس موجود ہے، آپ کے پاس اسلام ہے۔ جب ہمارے پاس فکر ہے، نقشہ راہ اور منصوبہ ہے تو ہم اپنے اہداف کا تعین بھی کر سکتے ہیں اور اپنے راستے پر ثابت قدمی سے گامزن بھی رہ سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو نہ ان کا ہتھیار کام آئے گا نہ علم، نہ پیسہ نہ دولت۔ ایسا نہیں ہے کہ ان چیزوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اثر تو ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ بھی سوچنا پڑے گا، اگر وقت رہا تو اس بارے میں بھی گفتگو کروں گا۔ تاہم سب سے پہلے ہمیں نقشہ راہ اور نظریہ پر توجہ دینا ہوگی۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اہداف کا تعین ہونا چاہیے۔

ان انقلابات کا ایک اہم ہدف یہ ہے کہ اسلام کے محور سے خارج نہ ہونے پائیں۔ اسلام ہی محور بنا رہے۔ اسلامی فکر اور اسلامی شریعت کو محور میں رکھا جائے۔ یہ تاثر دینے اور غلط فہمی پیدا کرنے کی بڑی کوششیں کی جارہی ہیں کہ اسلامی شریعت، ترقی، تبدیلی اور تمدن جیسی چیزوں کیلئے سازگار نہیں ہے۔ یہ خیال دشمن کا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ اسلام پوری طرح ان چیزوں سے سازگار اور متفق ہے۔

البتہ دنیائے اسلام میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جنہوں نے اپنے رجعت پسندانہ طرز عمل، فکری جمود اور اجتہاد و استنباط کی کمزوری کے نتیجے میں دشمن کے اس خیال کو درست ثابت کیا ہے۔ یہ کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن ایسے مسلمان ہیں جو دشمن کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم اپنے اردگرد، بعض اسلامی ممالک میں اس طرح کے افراد دیکھ رہے ہیں۔ ان کے نام تو مسلمانوں جیسے ہیں لیکن ان کے اندر اسلامی معارف و تعلیمات کے حوالے سے ذرہ برابر جدت نظری اور جدت فکری دکھائی نہیں دیتی۔

دنیا کو اسلام کی تا ابد ضرورت ہے، اسلام ہر دور اور ہر صدی میں درکار ہے۔ انسانی ارتقاء کیلئے اس کی ضرورت ہر دور اور ہر زمانے کو ہے۔ وہ فکر جو اسلام کے اندر سے جملہ ضرورتوں کی تکمیل کی راہیں اخذ

کر سکے، اس فکر کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض افراد ہیں جو اس فکر سے محروم ہیں۔ وہ بس کفر کے فتوے دینا جانتے ہیں، دوسروں کو فاسق و فاجر ٹھہرا دینا انہیں خوب آتا ہے اور خود کو بڑے طمطراق سے مسلمان قرار دیتے ہیں۔ بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ چیزوں کے معاملے میں یہ نام نہاد مسلمان، دشمنوں کے ہمنوا بنے ہوئے ہیں! مختصر یہ کہ ہمیں شریعت اسلامیہ اور اسلامی افکار کو اپنی سرگرمیوں اور جدوجہد کا مرکز و محور قرار دینا چاہیے۔ یہ ایک اہم اور بڑا ہدف ہے۔

ایک اور ہدف نظام کی تشکیل ہے۔ ان ملکوں میں جہاں انقلاب آئے ہیں اگر نظام تشکیل نہ دیا گیا تو انقلاب خطرے میں پڑ جائے گا۔ شمالی افریقہ کے انہی ملکوں میں ساٹھ ستر سال قبل بیسویں صدی کے وسط کا ایک تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی تیونس میں انقلاب آیا، عوامی تحریک چلی، کچھ نئے چہرے اقتدار میں آئے۔ اسی مصر میں انقلاب آیا، کودتا ہوا، تحریک چلی اور کچھ نئے افراد نے حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔ کچھ اور جگہوں پر بھی یہی عمل دہرایا گیا، لیکن کہیں بھی نظام تشکیل نہیں پا سکا۔ نظام تشکیل نہ دینے کا یہ نتیجہ نکلا کہ انقلاب تو مٹ ہی گئے، لیکن وہ افراد جو انقلاب کے نام پر اقتدار میں پہنچے تھے خود بھی منحرف اور منقلب ہو کر رہ گئے۔ ان کی پالیسیوں میں ایک سو اسی درجہ کی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ وہ بھی بہک گئے، گمراہ ہو گئے۔ تیونس میں بھی یہی ہوا، مصر میں بھی یہی ہوا اور اس زمانے کے سوڈان میں بھی یہی عمل دہرایا گیا۔

میرے خیال میں یہ سنہ انیس سو چونسٹھ پینسٹھ یا چھیاسٹھ کی بات ہے، میں شہر مشہد میں چند احباب کے ساتھ صوت العرب ریڈیو کی نشریات سن رہا تھا۔ مصر کے صوت العرب ریڈیو کے پروگرام قاہرہ سے نشر ہوتے تھے۔ ریڈیو سے جمال عبدالناصر، معمر قذافی اور جعفر نمیری کی تقریریں نشر ہو رہی تھیں جو اس وقت ایک جگہ پر جمع تھے۔ اس زمانے میں ملک کی آمر حکومت کے استبداد کی چکی میں ہم پس رہے تھے۔ ہمیں ان شعلہ بیانیوں سے بڑا لطف آتا تھا اور ہم جوش و جذبے سے سرشار ہو جاتے تھے۔ جمال عبدالناصر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے جانشینوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ قذافی کا انجام کیا ہوا وہ بھی آپ نے دیکھا۔ نمیری کا انجام بھی جو ہوا اس سے بھی واقف

ہیں۔ یہ انقلاب الٹ گئے، کیونکہ ان میں نہ تو فکر تھی اور نہ ہی وہ نظام کو تشکیل دے سکے۔ اس لئے اب جن ملکوں میں انقلاب آئے ہیں وہاں نظام کی تشکیل ہونا چاہیے، مضبوط اور مستحکم بنیاد نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی بہت اہم مسئلہ ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ عوامی پشت پناہی اور حمایت کو قائم رکھنے کا ہے۔ عوام سے ہرگز دور نہیں ہونا چاہیے۔ عوام کی کچھ توقعات ہیں، ضروریات ہیں۔ اصلی طاقت بھی عوام کے ہی ہاتھ میں ہے۔ جہاں عوام جمع ہو جاتے ہیں، جب عوام متحد ہو جاتے ہیں، جب ملک کے رہنماؤں اور سربراہوں کے پیچھے متحد اور ہمفکر عوام پشت پناہی کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں وہاں امریکہ تو کیا امریکہ سے بڑی طاقت بھی بے دست و پا ہو کر رہ جاتی ہے۔ عوام کو ساتھ رکھنا چاہیے، انہیں اپنے قریب رکھنا چاہیے۔ یہ کام آپ حضرات کر سکتے ہیں۔ یہ ذمہ داری دانشور، مصنفین، شعراء اور علمائے دین ہی پوری کر سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ مؤثر علمائے دین واقع ہوئے ہیں۔ علمائے دین کے دوش پر سنگین ذمہ داریاں اور فرائض ہیں۔ انہیں عوام کو آگاہ کرنا ہے، عوام کو حالات سے باخبر رکھنا ہے، انہیں سمجھانا ہے کہ ہم کس منزل پر کھڑے ہیں۔ یہ بتائیں کہ ہمارے سامنے کیا رکاوٹیں ہیں، ہمارے دشمن کون لوگ ہیں؟ عوام میں آگاہی اور بصیرت پیدا کریں۔ اگر یہ کام انجام پا گیا تو دشمن کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ایک اور مسئلہ جوانوں کی علمی تربیت کا مسئلہ ہے۔ اسلامی ممالک کو چاہیے کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبہ میں آگے بڑھیں۔ میں نے عرض کیا کہ مغرب اور امریکہ علم کے بل بوتے پر دنیا کے ممالک پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کا ایک حربہ سائنس و ٹیکنالوجی کا حربہ تھا۔ انہوں نے دولت و ثروت بھی اپنے علم کی مدد سے حاصل کی۔ البتہ کچھ دولت و ثروت تو انہوں نے فریب، خباثت اور سیاسی چالوں سے جمع کی، لیکن سائنس و ٹیکنالوجی کا بھی اس میں مؤثر کردار تھا۔ علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک روایت میں ارشاد ہے:

اَلْعِلْمُ سُلْطَانٌ. مَنْ وَّجَدَهٗ صَالَ بِهٖ وَ مَنْ لَّمْ يَجِدْهُ صِيْلَ عَلَيْهِ۔

علم طاقت ہے، جو اسے حاصل کرے وہ غلبہ پا لیتا ہے اور جسے علم میسر ہو وہ مغلوب

ہوکر رہ جاتا ہے۔[1]

علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم مل گیا تو آپ کے بازوؤں کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ اگر آپ کے پاس علم نہیں ہے تو مضبوط پنجہ رکھنے والے لوگ آپ کا ہاتھ مروڑ دیں گے۔ اپنے نوجوانوں کو علم و دانش کی رغبت دلایئے۔ آپ کو اس میں کامیابی ملے گی۔ ہم نے اپنے ملک میں اس کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ انقلاب اسلامی سے پہلے علم و دانش اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ہم آخری صف میں تھے۔ ہم پر کسی کی نگاہ بھی نہیں پڑتی تھی لیکن انقلاب کی برکت سے، اسلام کی برکت سے اور شریعت اسلامی کی بدولت آج یہ عالم ہے کہ دنیا میں جو علمی ادارے و مراکز آج اعداد و شمار کے نتائج کا اعلان کرتے ہیں، انہوں نے ایران کی علمی حیثیت کو تسلیم کیا اور ان کی بات عالمی سطح پر پیش کی گئی کہ ایران سائنس و ٹیکنالوجی کے لحاظ سے دنیا میں سولہویں مقام پر ہے۔ یہ رپورٹ چند ماہ قبل کی ہے۔ جن اداروں نے یہ اعداد و شمار جاری کئے ان کی یہ پیشین گوئی بھی تھی کہ آئندہ چند برسوں میں، آنے والے دس بارہ برسوں میں ایران عالمی رینکنگ میں ایک ہندسے والی پوزیشن حاصل کر لے گا۔ ان کے اندازے کے مطابق ایران چوتھے نمبر پر ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایران کی علمی پیشرفت کی رفتار بہت تیز ہے۔ البتہ اس وقت ہم کافی پیچھے ہیں۔ ہماری رفتار دنیا کی اوسط رفتار سے کئی گنا زیادہ ہے، پھر بھی ہم ابھی پیچھے ہیں۔ اگر ہم اسی سرعت سے آگے بڑھتے رہے تو آگے نکل جائیں گے۔ عالم اسلام میں یہ حرکت جاری رہنا چاہیے۔

اسلامی ممالک کے پاس صلاحیت، توانائی و استعداد کی کمی نہیں ہے۔ ان کے پاس باصلاحیت نوجوان اور بہترین دماغ ہیں۔ تاریخ کے ایک دور میں دنیا کا علم ہمارے اختیار میں تھا تو آج اس عہد کو دہرایا کیوں نہیں جا سکتا؟ ہم یہ توقع کیوں نہیں رکھ سکتے کہ آئندہ تیس سال میں اسلامی دنیا ایک بار پھر دنیا کا علمی مرکز بن جائے اور علمی امور میں اسلامی ممالک سے رجوع کیا جائے؟ یہ مستقبل ہماری دسترس اور پہنچ میں ہے۔ بس ہمت سے کام لینے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب اسلام کی برکتوں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اسلامی نظام نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ برق رفتاری سے ترقی کرنے پر قادر ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲۰، ص ۳۱۹۔

ایک اور کلیدی موضوع اتحاد و یکجہتی کا ہے۔ میرے بھائیو اور بہنو! میں آپ کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں جو سب سے بڑا حربہ ہے اور جسے وہ ہمارے خلاف جی بھر کے استعمال کر رہے ہیں وہ ہمارے درمیان اختلافات ہیں۔ شیعہ سنی اختلافات، علاقائی، لسانی اور نسلی اختلافات، بے جا غرور اور برتری۔ وہ شیعہ سنی اختلافات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اختلافات کی آگ شعلہ ور کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی ممالک میں، انہی ملکوں میں جہاں عوامی انقلاب آئے ہیں، اختلاف پیدا کرنے کی پراسرار اور خوفناک کوششیں ہو رہی ہیں۔ سب کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ مغرب اور امریکہ عالم اسلام کے دشمن ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا چاہیے۔ وہ اشتعال انگیزی کرتے ہیں۔ ان کی خفیہ ایجنسیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔ جہاں بھی ان کے قدم پڑے ہیں، انہوں نے تباہی و بربادی کی ہے۔ فلسطین کے مسئلے میں جہاں تک ہو سکا انہوں نے تخریب کاری سے کام لیا ہے۔ البتہ انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے برخلاف ہم مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ عالم اسلام پیشرفت کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

فلسطین کا حالیہ واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ غزہ اور صیہونی حکومت کے درمیان آٹھ روزہ جنگ ہوئی جس میں اسرائیل کی سب سے طاقتور فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، اسرائیل کو اپنی فوجی طاقت پر بہت ناز تھا لیکن اس کا یہ طلسم اب ٹوٹ گیا ہے۔ جب جنگ بندی کی بات آئی تو اس مرتبہ فلسطینیوں نے شرطیں عائد کیں۔ کیا یہ قابل یقین بات ہے؟ اگر دس سال پہلے آپ سے یہ بات کہی جاتی تو کیا آپ اس بات پر یقین کر سکتے تھے کہ ایک دن فلسطینی وہ بھی سارے فلسطینی نہیں بلکہ فلسطین کے ایک گوشے یعنی غزہ کے فلسطینی صیہونی حکومت کی جارحیت کا جواب دیں گے اور جب جنگ بندی کی بات آئے گی تو فلسطینیوں کی جانب سے شرطیں رکھی جائیں گی؟ فلسطینیوں کو شاباش اور صد آفرین ہے۔ حماس، جہاد اور وہ مجاہد تنظیمیں قابل تعریف ہیں جنہوں نے غزہ میں جنگ کی اور شجاعت کے جوہر دکھائے! شجاعت اسے کہتے ہیں۔ میں اپنی طرف سے تمام فلسطینی مجاہدین کے جذبہ ایثار و قربانی، مجاہدانہ کوششوں اور ان کے صبر و استقامت پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے آپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

يُسْرًا ﴿٦﴾[1]: ''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے''۔

اگر ہم صبر وضبط سے کام لیں گے تو اللہ ہمارے لئے راستوں کو کھول دے گا۔ انہوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، اللہ نے ان کیلئے راستے کھول دیئے۔ یہ ایک سبق ہے، خود ان کیلئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی۔ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کو معمولی نہ سمجھئے۔ یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔

ہمارے بحرینی بھائی نے بحرین کے سلسلے میں عالم اسلام کی خاموشی اور عدم توجہ کی یہاں جو بات کہی وہ بالکل درست ہے۔ اس مسئلے میں بعض افراد کے سکوت کی وجہ بدقسمتی سے یہی فرقہ پرستی کا مسئلہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر کوئی قوم کسی ڈکٹیٹر کے خلاف قیام کرتی ہے تو اس قوم کی حمایت کی جانی چاہیے مگر یہ کہ وہ قوم شیعہ ہو جیسے بحرینی عوام۔ اگر شیعہ ہے تو دفاع نہ کیا جائے! بعض لوگوں کے اندر یہ غلط اور گمراہ فکر پائی جاتی ہے۔ اسے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔

دشمن کو پہچاننا چاہیے۔ دشمن کی سازشوں اور اس کے حربوں کو پہچاننا بہت ضروری ہے۔ دشمن کے حیلوں اور بہانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کہاں سے حملہ شروع کرتا ہے؟ ہم شام کے مسئلے کو اسی معیار پر پرکھتے ہیں۔ ہمیں ہرگز یہ گوارا نہیں کہ کسی مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے۔ اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ شام کو جو لوگ خانہ جنگی کی طرف لے جا رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جو لوگ شام کو تباہی اور برادرکشی کی آگ میں جھونک رہے ہیں وہ خطاکار ہیں۔ قوموں کے مطالبات بغیر تشدد کے رائج طریقوں سے پورے ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ وہ ہم سب کی ہدایت فرمائے۔ اللہ تعالی سے دُعا ہے کہ وہ آپ کی محنتوں اور کوششوں میں خیر اور برکت عطا فرمائے۔ پروردگار متعال سے دُعا ہے کہ عالم اسلام کی اس عظیم بیداری کو امت اسلامیہ کے درخشاں اور تابناک مستقبل سے ملا دے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

✲✲✲✲✲

[1] سورۂ انشراح، آیت ۶۔

دُعائے ابوحمزہ ثمالی، ایک نظر میں

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی ثمالی

یہ دُعا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے۔ یہ ان دُعاؤں میں سے ہے کہ بہت گرانقدر اور مشہور ہیں۔ نیز جید علماء کے نزدیک بہت مانی جاتی ہے۔ اس دُعا کے راوی جناب ابوحمزہ ثمالیؒ ہیں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ دُعا انہی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی احادیث اور دُعاؤں کے راویوں (مثلاً ابوحمزہ ثمالی، کمیل نخعی اور انہی جیسے دیگر اصحاب) کے مقام ومنزلت کے اعتراف کے ساتھ ان کا ممنون شکر گزار بھی ہونا چاہیے۔ خداوند متعال ان پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

اسلامی احادیث کے مطابق، انسان کو اپنا علم اور معرفت اگلی نسلوں تک اس انداز سے پہنچانا چاہیے کہ وہ اس سے مستفید ہوں اور اس کو بہتر اور مکمل طور پر سمجھ سکیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔

کتنے ایسے ہیں جو عالم نہیں مگر علم کا ایک حصہ دوسروں کو دیتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو عالم ہیں مگر ان کو علم پہنچاتے ہیں جو ان سے بھی زیادہ عالم ہیں۔[1]

بہرصورت، دُعائے ابوحمزہ ثمالی اہلبیتؑ کی طرف سے ملنے والی نادر دُعاؤں میں سے ایک ہے، جسے چوتھے امامؑ سے روایت کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس دُعا کی روایت اور اس کے اہم نکات کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

---

[1] امالی شیخ صدوق، ص ۳۵۰۔

دُعائے ابوحمزہ ثمالی کی سند

دُعائے ابوحمزہ ثمالی کو مندرجہ ذیل علمائے حدیث نے نقل کیا ہے:

- شیخ طوسیؒ، ''مصباح المتہجد''، ص ۵۸۲۔۵۹۸۔
- سیّد ابن طاؤوسؒ، اقبال الاعمال، ص ۶۷۔۷۶۔
- ابراہیم بن علی کفعمیؒ، ''البلد الامین''، ص ۲۰۵۔۲۰۶۔ ''المصباح''، ص ۵۸۸۔۶۰۵۔
- علامہ مجلسیؒ، بحار الانوار، ج ۹۵، ص ۸۲۔ ۹۳۔

واضح رہے کہ سیّد ابن طاؤس نے اپنی کتاب اقبال الاعمال میں اس دُعا کو اپنے سلسلہ سند کے ساتھ ابومحمد ہارون ابن موسیٰ التلعکبری سے روایت کیا ہے، جنہوں نے اسے حسن بن محبوب الزرّاد اور انہوں نے ابوحمزہ ثمالی سے نقل کیا ہے۔

جناب ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام رمضان المبارک کی ہر رات کا بیشتر حصہ عبادت و دُعا میں بسر کرتے اور فجر سے پہلے اس دُعا کو پڑھا کرتے تھے۔

دُعائے ابوحمزہ ثمالی کے اہم نکات:

ا۔ خوف و رجاء:

اس دُعا کے اہم ترین نکات میں سے ایک خوف اور امید میں توازن ہے۔ اس پوری دُعا میں یہ تصور اکثر مقامات پر دہرایا گیا ہے اور بہت خوبصورتی اور بلاغت سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی ایک طرف ہم اپنے آپ کو گناہوں میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں۔ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہم خدا کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں اور جب ہم اپنے نفس کے بے شمار مسائل اور اعمال بد کو دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہم نے زندگی کو ضائع کر دیا ہے تو ہماری امیدیں دم توڑنے لگتی ہیں۔ مگر دوسری طرف جب ہم خداوند قدوس کی رحمت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھتے ہیں تو ہم پر امید ہو جاتے ہیں۔ پس ہمیں پر امید ہونا چاہیے، لیکن اپنے اعمال کے بل بوتے پر نہیں بلکہ خداوند کی رحمت کے سہارے اور اسی طرح ہمیں خداوند سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے اعمال کی وجہ سے خوف کھانا چاہیے۔

۲۔انسان کی مختلف حاجتیں:

اس دُعا میں انسان کی مختلف ضروریات کو بیان کیا گیا ہے۔اس میں دنیا اور آخرت کی حاجات، جو انسان کے اپنے لئے، اپنے خاندان کیلئے، اپنے احباب کیلئے اور عام معاشرے کیلئے ہیں۔ یہ دُعا خاص طور پر استجابت دُعا کیلئے بہترین ہے، کیونکہ اس میں اتنی مختلف اقسام کی حاجات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم ان سب کو پروردگار سے مانگ لیں تو ہمیں مزید کچھ مانگنا نہ پڑے گا۔

۳۔حج بیت اللہ کی درخواست:

دُعائے ابوحمزہ ثمالی میں جن حاجات کی تکرار کی گئی ہے، ان میں سے ایک حج بیت اللہ الحرام کی ادائیگی ہے۔ حج ان امور میں سے ہے کہ جس کا فیصلہ ماہ مبارک رمضان اور خاص طور پر شب قدر میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دُعا میں اور ماہ مبارک کی کچھ خاص دیگر دُعاؤں میں اس حاجت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۴۔تکبر اور عجب کا علاج:

یہ دُعا تکبر اور عجب کے کم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس میں انسان کے سراپا محتاج اور کمزور ہونے کے متعدد شواہد پیش کئے گئے ہیں۔اس دُعا میں بار بار پروردگار کے حضور خطاؤں اور گناہوں پر معافی کی التجا اور درخواست کی گئی ہے۔

۵۔اللہ کی بے پناہ نعمتوں کا ذکر:

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اس دُعا میں بڑی فصاحت و بلاغت سے پروردگار عالم کی کثیر اور بے پناہ نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان بے پناہ نعمتوں کی طرف متوجہ ہوکر پروردگار کے شکرگزار بندے بن جائیں۔

۶۔موت کے بعد کے حالات:

اس دُعا میں امام علیہ السلام نے موت کے بعد پیش آنے والے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے تاکہ ہم موت کو یاد کریں اور آخرت کیلئے زیادہ کوشش کرنے میں متحرک ہوں۔مثال کے طور پر دُعا کے ایک حصے میں

آپؑ فرماتے ہیں:

اِلٰهِیْ لَوْ قَرَنْتَنِیْ بِالْاَصْفَادِ وَ مَنَعْتَنِیْ سَیْبَكَ مِنْ بَیْنِ الْاَشْهَادِ وَ دَلَلْتَ عَلٰی فَضَآئِحِ عُیُوْنَ الْعِبَادِ وَ اَمَرْتَ بِیْٓ اِلَی النَّارِ وَ حُلْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْاَبْرَارِ مَا قَطَعْتُ رَجَائِیْ مِنْكَ وَ مَا صَرَفْتُ تَاْمِیْلِیْ لِلْعَفْوِ عَنْكَ وَ لَا خَرَجَ حُبُّكَ مِنْ قَلْبِیْ۔

اے میرے خدا! اگر تو نے مجھے جہنم کی زنجیروں سے باندھ بھی دیا، اگر تو نے اہل محشر کے درمیان سے مجھے اپنی نعمتوں کی بہتی ہوئی نہر سے محروم بھی کر دیا، میری لغزشوں کو لوگوں کو دکھا بھی دیا، مجھے جہنم میں ڈالنے کا حکم بھی دے دیا اور مجھے اپنے نیک بندوں سے الگ بھی کر دیا، تو تب بھی میں نہ تجھ سے ناامید ہوں گا، نہ تیری عفو و درگزر سے مایوس ہوں گا اور نہ میرے دل سے تیری محبت ختم ہوگی۔

دُعا کا یہ فقرہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اپنے اعمال کی وجہ سے ہمیں ممکنہ طور پر کن حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ البتہ جن حالات کا سامنا ہوگا۔ اس کی وجہ صرف ہمارے اپنے اعمال ہوں گے نہ یہ کہ اللہ ہم سے محبت نہیں کرتا یا ہمارے ساتھ رحمت و محبت سے پیش نہیں آتا۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم خبردار رہیں اور اپنی موت، قیامت اور آخرت میں خدا کے حضور حساب و کتاب کے بارے میں فکرمند رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ہر حال میں پُر امید رہنا چاہیے اور اللہ نے اب تو جو ہمارے ساتھ نیک سلوک کیا ہے اسے مدنظر رکھنا چاہیے۔

امام علیہ السلام مزید ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا لَآ اَنْسٰی اَیَادِیَكَ عِنْدِیْ وَ سِتْرَكَ عَلَیَّ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا۔

(معبود!) میں دنیا میں تیری بے پناہ عطاؤں اور (گناہوں اور خطاؤں) پر ڈالے جانے والے تیرے پردے کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

پس اگر (عالم آخرت میں) خدا ہمیں سزا بھی دے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ دنیا میں اس نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

۷۔حب دنیا سے اجتناب:

امام سجاد علیہ السلام پروردگار کے حضور التجا پیش کرتے ہیں:

سَیِّدِیْ اَخْرِجْ حُبَّ الدُّنْیَا مِنْ قَلْبِیْ وَ اجْمَعْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی وَ اٰلِہٖ۔

اے میرے مولا! میرے دل سے حب دنیا نکال دے۔

ہم خداوند عالم سے حب دنیا ختم کرنے کی اس لئے درخواست کرتے ہیں، کیونکہ اس محبت کو تمام گناہوں، لغزشوں اور برائیوں کی جڑ شمار کیا گیا ہے۔

۸۔رسولؐ اور آل رسولؐ کی رفاقت:

اس دُعا میں ہم پروردگار عالم سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ کی رفاقت نصیب فرمائے:

وَ اجْمَعْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی وَ اٰلِہٖ خِیَرَتِکَ مِنْ خَلْقِکَ وَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ۔

(خدایا!) مجھے اپنی مخلوق میں بہترین، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطہار علیہم السلام کی رفاقت نصیب فرما۔

۹۔توبہ اور گناہوں پر رونے کی التجا:

اس التجا کے بعد امام علیہ السلام دو مزید درخواستیں پروردگار عالم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ایک توبہ کا مقام اور دوسرے اپنی خطاؤں اور گناہوں پر رونے کی توفیق۔آپؑ فرماتے ہیں:

وَ انْقُلْنِیْ اِلٰی دَرَجَۃِ التَّوْبَۃِ اِلَیْکَ وَ اَعِنِّیْ بِالْبُکَآءِ عَلٰی نَفْسِیْ۔

(معبود!) مجھے توبہ کی وادی میں منتقل فرما اور اپنے اوپر رونے کی توفیق عنایت فرما۔

اسلام میں توبہ کی بہت اہمیت ہے اور اسے الٰہی توفیق قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح اگر انسان اپنے لئے اور اپنے گناہوں پر روئے تو اسے اللہ کی مدد شمار کیا گیا ہے۔وہ لوگ بدقسمت ہیں جو روز قیامت اپنے گناہوں، خدا کی رحمت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کو یاد کر کے روئیں گے۔

امام سجاد علیہ السلام اس بات کو مزید واضح کرتے ہیں خود پر رونے کی ضرورت کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فَقَدْ اَفْنَیْتُ بِالتَّسْوِیْفِ وَ الْاٰمَالِ عُمُرِیْ۔

کیونکہ میں نے اپنی زندگی تاخیر کرنے اور جھوٹی امیدوں میں ضائع کردی۔

''تسویف'' اس کیفیت کو کہتے ہیں جب کوئی شخص اہم فیصلوں کو ملتوی کرتا رہتا ہے۔ جیسے توبہ اور نیک اعمال۔ شیطان ہمیں دھوکہ دیتا ہے کہ ان اعمال کو رمضان تک کیلئے ملتوی کردو اور ماہِ رمضان میں وہ پھر ہمیں فریب دیتا ہے کہ عیدالفطر تک چھوڑ دو اور پھر اس دن وہ ہمارے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم مزید مثلاً یوم عرفہ تک تاخیر کردیں۔ اس کا یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور ہم مسلسل اچھے اعمال کو موکول کرتے رہتے ہیں اور ان خوابوں میں مدہوش رہتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ قَدْ نَزَلْتُ مَنْزِلَةَ الْاٰیِسِیْنَ مِنْ خَیْرِیْ۔

اور اب میں اپنی بھلائی و خیر سے گویا مایوس ہو چکا ہوں۔

جب ایک بندہ اپنے اہم معاملات کو ملتوی کرتا رہتا ہے یا کرنے کے بعد چھوڑ دیتا ہے تو آخر کار مایوسی اسے ہر جانب سے گھیر لیتی ہے۔

آگے چل کر امام علیہ السلام ایک ایسا جملہ ارشاد فرماتے ہیں جس سے ہمیں غرور و تکبر کو ختم کرنے میں مدد دے ملتی ہے اور ہم اپنی حالت زار پر بہتر انداز سے رو سکتے ہیں:

فَمَنْ یَّکُوْنُ اَسْوَءَ حَالًا مِّنِّیْ اِنْ اَنَا نُقِلْتُ عَلٰی مِثْلِ حَالِیْ اِلٰی قَبْرِیْ لَمْ اُمَهِّدْهُ لِرَقْدَتِیْ وَ لَمْ اَفْرُشْهُ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ لِضَجْعَتِیْ۔

مجھ سے برا کون ہوگا کہ اگر اپنی موجودہ حالت میں قبر میں چلا جاؤں تو میں نے اسے اپنے آرام کیلئے تیار نہیں کیا ہے اور نہ اسے اپنے نیک اعمال سے آراستہ کیا ہے۔

قبر ایک لمبے عرصے کیلئے انسان کی آماجگاہ ہوگی۔ اس لئے مرنے سے پہلے قبر کیلئے مناسب تیاری

کرنے کی ضرورت ہے۔ ایمان اور عمل صالح ہی وہ بہترین چیزیں جن سے انسان اپنی قبر کو آراستہ و آرام دہ بنا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥﴾

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی! ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر (رفتہ رفتہ) اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا، مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کیلئے بے انتہا اجر ہے۔[1]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③﴾

عصر کی قسم! انسان گھاٹے میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالاتے رہے اور آپس میں حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔[2]

پھر امام علیہ السلام مزید وضاحت کرتے ہیں کہ وہ رونا کیوں نہیں بند کر سکتے:

وَمَا لِيَ لَآ اَبْكِيْ وَمَآ اَدْرِيْ اِلٰى مَا يَكُوْنُ مَصِيْرِيْ وَاَرٰى نَفْسِيْ تُخَادِعُنِيْ وَاَيَّامِيْ تُخَاتِلُنِيْ وَقَدْ خَفَقَتْ عِنْدَ رَاْسِيْ اَجْنِحَةُ الْمَوْتِ۔

تو میں کیوں نہ روؤں کہ مجھے اپنی تقدیر کے بارے میں علم نہیں اور میں اپنے ہی آپ کو دھوکہ دیتے ہوئے دیکھتا ہوں اور دن گزرتے جا رہے ہیں اور موت کے پر قریب ہی پھڑ پھڑا رہے ہیں۔

---

[1] سورۂ تین، آیت ۱۔۶۔

[2] سورۂ عصر، آیت ۱۔۳۔

فَمَالِیْ لَا اَبْکِیْ. اَبْکِیْ لِخُرُوْجِ نَفْسِیْ. اَبْکِیْ لِظُلْمَةِ قَبْرِیْ. اَبْکِیْ لِضِیْقِ لَحْدِیْ. اَبْکِیْ لِسُؤَالِ مُنْکَرٍ وَّ نَکِیْرٍ اِیَّایَ. اَبْکِیْ لِخُرُوْجِیْ مِنْ قَبْرِیْ عُرْیَانًا ذَلِیْلًا حَامِلًا ثِقْلِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ اَنْظُرُ مَرَّةً عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ اُخْرٰی عَنْ شِمَالِیْ اِذِ الْخَلَآئِقُ فِیْ شَاْنٍ غَیْرِ شَاْنِیْ ﴿لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِکَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝﴾[1] وَّ ذِلَّة۔

پس میں کیوں نہ روؤں؟ میں اپنی زندگی کے خاتمے پر روتا ہوں، میں اپنی قبر کی تاریکی پر روتا ہوں۔ میں اپنی قبر کی تنگی پر روتا ہوں۔ میں منکر ونکیر کے سوالات پر روتا ہوں، میں اس پر روتا ہوں کہ قبر سے برہنہ اور ذلیل اٹھایا جاؤں گا، (گناہوں کا) بوجھ میری پشت پر ہوگا، اس حالت میں، میں کبھی دائیں دیکھوں گا اور کبھی بائیں، کیونکہ اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی: ''اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، اس دن کچھ چہرے چمکتے، ہنستے اور خوش وخرم ہوں گے اور کچھ چہرے گرد آلود ہوں گے جو ذلت کے بوجھ تلے جھکے ہوں گے۔

مندرجہ بالا جملوں میں امام سجاد علیہ السلام انسانی زندگی کے پانچ مشکل مرحلوں کو ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں سوچ بچار کرنی چاہیے اور ان کیلئے تیاری کرنی چاہیے اور اگر ایسا نہیں تو پھر رونا چاہیے:

۱۔ وہ دن جب روح بدن سے الگ ہوجائیگی۔ یہ لمحہ اتنا مشکل ہوتا ہے کہ انسان بول بھی نہیں سکتا۔

۲۔ قبر کی تاریکی۔

۳۔ قبر کی تنگی۔

۴۔ وہ وقت جب فرشتے سوال وجواب کیلئے قبر میں آئیں گے۔

۵۔ وہ وقت جب ہم برہنہ حالت میں اپنے اعمال کا بوجھ اٹھا کر قبروں سے نکلیں گے۔

---

[1] سورۂ، آیت ۳۷۔۴۱۔

اس دُعا کے ایک اور نورانی حصے میں امام سجاد علیہ السلام انسان کو نصیب ہونے والی اللہ کی نعمتوں اور اس کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

سَيِّدِيْ اَنَا الصَّغِيْرُ الَّذِيْ رَبَّيْتَهٗ وَ اَنَا الْجَاهِلُ الَّذِيْ عَلَّمْتَهٗ وَ اَنَا الضَّالُّ الَّذِيْ هَدَيْتَهٗ وَ اَنَا الْوَضِيْعُ الَّذِيْ رَفَعْتَهٗ وَ اَنَا الْخَآئِفُ الَّذِيْ اٰمَنْتَهٗ وَ الْجَآئِعُ الَّذِيْ اَشْبَعْتَهٗ وَ الْعَطْشَانُ الَّذِيْ اَرْوَيْتَهٗ وَ الْعَارِيُ الَّذِيْ كَسَوْتَهٗ وَ الْفَقِيْرُ الَّذِيْ اَغْنَيْتَهٗ وَ الضَّعِيْفُ الَّذِيْ قَوَّيْتَهٗ وَ الذَّلِيْلُ الَّذِيْ اَعْزَزْتَهٗ وَ السَّقِيْمُ الَّذِيْ شَفَيْتَهٗ وَ السَّآئِلُ الَّذِيْ اَعْطَيْتَهٗ وَ الْمُذْنِبُ الَّذِيْ سَتَرْتَهٗ وَ الْخَاطِئُ الَّذِيْ اَقَلْتَهٗ وَ اَنَا الْقَلِيْلُ الَّذِيْ كَثَّرْتَهٗ وَ الْمُسْتَضْعَفُ الَّذِيْ نَصَرْتَهٗ وَ اَنَا الطَّرِيْدُ الَّذِيْ اٰوَيْتَهٗ۔

اے میرے آقا! میں وہ صغیر ہوں جس کی تو نے پرورش کی، میں وہ جاہل ہوں جس کو تو نے تعلیم دی، میں وہ گرا ہوا ہوں جسے تو نے سربلند کیا، میں وہ خوفزدہ ہوں جسے تو نے محفوظ کیا، میں وہ بھوکا ہوں جسے تو سیر کیا، میں وہ پیاسا ہوں جسے تو نے سیراب کیا، میں وہ برہنہ ہوں جسے تو نے لباس دیا، میں وہ غریب ہوں جسے تو نے تونگر کیا، میں وہ کمزور ہوں جسے تو نے طاقتور کیا، میں وہ ذلیل ہوں جسے تو نے عزت بخشی، میں وہ بیمار ہوں جسے تو نے شفا بخشی، میں وہ سائل ہوں جسے تو نے عطا کیا، میں وہ گنہگار ہوں جس کی تو نے پردہ پوشی کی، میں وہ خطا کار ہوں جس کی تو خطائیں معاف کیں، میں وہ اکیلا ہوں جسے تو نے کثرت بخشی، میں وہ بے کس ہوں جس کی تو نے مدد فرمائی، میں ہی وہ مفرور ہوں جسے تو نے پناہ دی۔

فَلَكَ الْحَمْدُ وَ اَنَا يَا رَبِّ الَّذِيْ لَمْ اَسْتَحْيِكَ فِي الْخَلَآءِ وَ لَمْ اُرَاقِبْكَ فِي الْمَلَاءِ وَ اَنَا صَاحِبُ الدَّوَاهِي الْعُظْمٰى. اَنَا الَّذِيْ عَلٰى سَيِّدِهٖ اجْتَرَى. اَنَا الَّذِيْ عَصَيْتُ جَبَّارَ السَّمَآءِ. اَنَا الَّذِيْ اَعْطَيْتُ عَلَى الْمَعَاصِيْ جَلِيْلَ الرِّشَا. اَنَا الَّذِيْ حِيْنَ بُشِّرْتُ بِهَا خَرَجْتُ اِلَيْهَا اَسْعٰى. اَنَا الَّذِيْ اَمْهَلْتَنِيْ فَمَا ارْعَوَيْتُ وَ سَتَرْتَ عَلَيَّ

فَمَا اسْتَحْيَيْتُ وَ عَمِلْتُ بِالْمَعَاصِيْ فَتَعَدَّيْتُ وَ اَسْقَطْتَنِيْ مِنْ عَيْنِكَ فَمَا بَالَيْتُ.

فَبِحِلْمِكَ اَمْهَلْتَنِيْ وَ بِسِتْرِكَ سَتَرْتَنِيْ حَتّٰى كَاَنَّكَ اَغْفَلْتَنِيْ وَ مِنْ عُقُوْبَاتِ الْمَعَاصِيْ جَنَّبْتَنِيْ حَتّٰى كَاَنَّكَ اسْتَحْيَيْتَنِيْ۔

اے پرودگار! تمام تعریف تیرے لئے ہے۔ میں نے نہ خلوت میں تیرا حیا کیا اور نہ جلوت میں تیرا خیال کیا۔ (اے خالق!) مجھ پر بہت بڑی مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں، میں وہ ہوں جس نے اپنے مالک کی شان میں گستاخی کی، میں وہ ہوں جس نے آسمانوں کے مالک کی نافرمانی کی، میں وہ ہوں جس نے بڑے گناہوں پر رشوت دی، میں وہ ہوں جسے گناہوں کی دعوت دی گئی تو دوڑتا ہوا بڑھا، میں وہ ہوں جسے تو نے مہلت دی مگر وہ نہ سمجھا، جس کے تو نے عیب چھپائے مگر اس نے شرم نہ کی۔ (معبود!) میں نے گناہ کئے اور سرکشی کی، تو نے مجھے اپنی نظر عنایت سے دور کر دیا مگر میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ پس تو نے اپنے حلم کی بنا پر مجھے مہلت دی، اپنے پردہ عفو سے مجھے ڈھانپا، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا کہ تو نے مجھے غافل کیا ہے اور تو نے مجھے گناہوں کی سزا سے دور رکھا تو یوں لگا کہ تو شرمسار ہے۔

۱۰۔ اعتراف گناہ اور امید بخشش:

آگے چل کر امام علیہ السلام ان حالات و وجوہات کو بیان کرتے ہیں جن کی بنا پر انسان گناہ و معصیت کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر واضح کرتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس کی آخری امید ہوتی ہے:

اِلٰهِيْ لَمْ اَعْصِكَ حِيْنَ عَصَيْتُكَ وَ اَنَا بِرُبُوْبِيَّتِكَ جَاحِدٌ وَّ لَا بِاَمْرِكَ مُسْتَخِفٌّ وَّ لَا لِعُقُوْبَتِكَ مُتَعَرِّضٌ وَّ لَا لِوَعِيْدِكَ مُتَهَاوِنٌ وَّ لٰكِنْ خَطِيْٓئَةٌ عَرَضَتْ لِيْ وَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ وَ غَلَبَنِيْ هَوَايَ وَ اَعَانَتْنِيْ عَلَيْهَا شِقْوَتِيْ وَ غَرَّنِيْ سِتْرُكَ الْمُرْخٰى عَلَيَّ فَقَدْ عَصَيْتُكَ وَ خَالَفْتُكَ بِجُهْدِيْ. فَالْاٰنَ مِنْ عَذَابِكَ مَنْ يَّسْتَنْقِذُنِيْ وَ مِنْ اَيْدِي الْخُصَمَآءِ غَدًا مَّنْ يُّخَلِّصُنِيْ وَ بِحَبْلِ مَنْ اَتَّصِلُ اِنْ اَنْتَ قَطَعْتَ حَبْلَكَ عَنِّيْ فَوَا سَوْاَتَاهْ عَلٰى مَآ اَحْصٰى كِتَابُكَ مِنْ عَمَلِيَ الَّذِيْ لَوْ لَا مَآ اَرْجُوْ مِنْ كَرَمِكَ وَ

سَعَةِ رَحْمَتِكَ وَ نَهْيِكَ اِيَّایَ عَنِ الْقُنُوْطِ لَقَنَطْتُ عِنْدَ مَآ اَتَذَكَّرُهَا۔

میرے معبود! جب میں نے تیری نافرمانی کی تو وہ اس لئے نہیں کی کہ میں تیری ربوبیت سے انکاری تھا یا تیرے حکم سے لاپرواہی کر رہا تھا یا خود کو تیرے عذاب کی دعوت دے رہا تھا یا تیرے وعید کو معمولی سمجھ رہا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ خطایوں ابھری کہ میرے نفس نے اسے میرے لئے مزین کر دیا تھا، میری خواہش مجھ پر غالب آ گئی تھی، میری بدبختی نے اس پر میرا ساتھ دیا اور تیری پردہ پوشی نے مجھے مغرور کر دیا، یوں میں تیری نافرمانی اور تیرے حکم کی مخالفت میں کوشاں ہوا۔ پس اب مجھے تیرے عذاب سے کون رہائی دے گا، کل کو مجھے دشمنوں کے ہاتھوں سے کون چھڑائے گا اور اگر تو نے اپنی رسی مجھ سے کاٹ دی تو پھر میں کس کی رسی کو تھاموں گا۔ ہائے افسوس کہ تیری کتاب میں میرے ایسے ایسے اعمال درج ہو گئے ہیں کہ اگر میں تیرے فضل و کرم اور تیری وسیع رحمت کا امید وار نہ ہوتا اور ناامیدی سے تیری ممانعت کو نہ جانتا تو جب میں اپنے اعمال کو یاد کرتا تو ضرور ناامید ہو جاتا۔

✲✲✲✲✲

قسط:7

شیعہ اسلامی عقائد

{خداشناسی}

از: علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ

زندگی اور حقیقت کے پیش نظر دنیا پر ایک نظر، خدا کی ضرورت

انسانی ادراک اور شعور جو انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے، بالکل شروع سے ہی انسان پر دونوں جہانوں کے خدا کی ہستی کو واضح کر دیتا ہے، کیونکہ یہ ان لوگوں کے عقائد کے بالکل خلاف ہے جو زندگی میں ہر چیز پر شک و تردید کا اظہار کرتے ہیں اور جہان ہستی کو صرف ایک وہم و گمان اور خیال کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک انسان اپنی پیدائش کے ساتھ ہی عقل و شعور لیکر آتا ہے اور وہ اپنی دنیا اور اپنے آپ کو بخوبی سمجھتا ہے۔ یعنی اسے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا کہ وہ موجود ہے اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں بھی موجود ہیں۔ نیز جب تک یہ انسان، انسان ہے اس میں عقل و شعور و علم موجود رہتا ہے، لہٰذا اس کیلئے کسی قسم کے شک و تردید کی گنجائش نہیں ہوتی اور علم و شعور اور عقل میں بھی ہرگز تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔

یہ حقیقت اور ہستی (کائنات) جس کو انسان ایک سوفسطائی یا شک کرنے والے کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، پہلے ہی سے ثابت شدہ ہے اور اس میں ہرگز بطلان پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی سوفسطائی اور شک کرنے والے شخص کے اقوال جو دراصل واقعیت اور حقیقت کی نفی کرتے ہیں، ہرگز درست نہیں ہیں۔ پس جہان ہستی (کائنات) میں ایک ثابت اور پائیدار حقیقت موجود ہے، لیکن یہ تمام حقیقی مظاہر جن کا ہم اس دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں کچھ عرصے کے بعد ان کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے اور یہ سب نابود ہو جاتا

ہے۔اس طرح واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے تمام اجزاء خود بخود عین حقیقت نہیں ہیں (کہ جو نابود اور فنا نہ ہونے پائیں) بلکہ یہ سب ایک پائیدار اور مستقل حقیقت سے وابستہ ہیں۔اسی پائیدار حقیقت کے ذریعہ ہی یہ حقیقت دار ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعہ ان کو زندگی ملتی ہے، لہٰذا جب تک اس حقیقت کے ساتھ رابطہ اور تعلق رکھتے ہیں، اس حقیقت کی موجودگی کے ساتھ زندہ رہتے ہیں لیکن جوں ہی اس سے ان کا تعلق ختم ہوجاتا ہے، فوراً نابود ہوجاتے ہیں[1]۔ہم اس پائیدار اور مستقل (لازوال) حقیقت کو "واجب الوجود" یعنی خدا کہتے ہیں۔

انسان اور جہان کے رابطے کے حوالے سے ایک اور نظر

وہ طریقہ جو گزشتہ باب میں خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کیلئے بتایا گیا ہے، وہ طریقہ بہت ہی سادہ اور واضح ہے کہ انسان اپنی خداداد قابلیت اور فطرت کے ساتھ اسے اپنا سکتا ہے اور اس طریقے میں کوئی پیچ وخم بھی نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ مادیات کی طرف متوجہ ہونے اور محسوس لذائذ میں محو ومستغرق ہونے کے سبب اپنی خداداد سادہ اور پاک فطرت کی طرف توجہ دینے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں معنویات کی طرف توجہ دینا بہت ہی مشکل اور سخت کام ہوجاتا ہے۔

بنابریں اسلام جو کہ اپنے آپ کو ایک عمومی اور آفاقی دین کہتا ہے اور تمام انسانوں کو اپنے دینی مقاصد کے سامنے مساوی جانتا ہے، ایسے افراد کیلئے خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

قرآن کریم مختلف طریقوں سے عام لوگوں کو خدا شناسی کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے بڑھ کر ان کے افکار کو دنیا کی آفرینش اور اس نظام کی طرف متوجہ کراتا ہے جو اس دنیا میں جاری وساری ہے اور پھر انفس وآفاق کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے، کیونکہ انسان اپنی چندروزہ زندگی میں جو راستہ یا طریقہ اختیار

[1] خدا بزرگ وبرتر نے قرآن مجید میں اس دلیل وبرہان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾۔"(ان کے پیغمبرؑ نے کہا:) کیا خدا میں شک کیا جا سکتا ہے؟ وہ خدا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔(جس نے عدم کو چیر کر اس میں آسمانوں اور زمین کو ظاہر کیا ہے؟)۔(سورۂ ابراہیم، آیت ۱۰)

کرے یا جس حالت میں زندگی گزارے، دنیائے فطرت اور اس میں موجودہ نظام کی حکومت سے ہرگز باہر نہیں نکل سکتا اور اس کا شعور و ادراک، زمین و آسمان کے عجیب و غریب مناظر کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ وسیع جہانِ ہستی (نظام کائنات)[1] جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اس کا ہر ایک جز اور ذرہ کلی طور پر ہمیشہ تغیر و تبدل کا شکار ہے اور ہر لحظہ اس کی شکل و صورت دگرگوں ہو کر ایک نیا روپ دھار لیتی ہے جو پہلے سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اور پھر ان قوانین کے زیر اثر جس میں استثنیٰ نہیں ہے، حقیقت اور اثبات کا لباس پہن لیتی ہے اور اسی طرح بہت بلند اور دور کہکشاؤں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ذرے تک جن سے اس جہان کی تشکیل و تکمیل ہوئی ہے، ہر چیز ایک خاص اور واضح نظام میں حرکت کرتی ہے اور اپنے قوانین کے ذریعے جس میں کسی قسم کا استثناء موجود نہیں ہے، بڑے حیرت انگیز طریقے سے یہ ساری چیزیں اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ سب اشیاء اپنے دائرۂ عمل کو بہت ہی پست اور نچلی سطح سے مکمل ترین حالت کی طرف بڑھاتی چلی جاتی ہیں، یہاں تک کہ تکمیل کے آخری مرحلے تک پہنچ جاتی ہیں۔

اگر فطرت کا نظام انسان کو زمین میں جگہ دیتا ہے تو اس زمین کے وجودی ڈھانچے کو اس طرح ترکیب (مختلف اجزاء کا مجموعہ) دیتا ہے کہ اس کی زندگی اور ماحول کے ساتھ سازگار ہو اور پھر اس زندگی اور ماحول کو اس طرح بناتا ہے کہ ایک مہربان دایہ کی طرح مہر و محبت کے ساتھ اس کی پرورش کرتے

---

[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝﴾: ''بے شک آسمان اور زمین میں ایمان لانے والوں کیلئے (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں (بھی) اور جن جانوروں کو وہ (زمین پر) پھیلا تا رہتا ہے (ان میں بھی) یقین کرنے والوں کے واسطے بہت سی نشانیاں ہیں، اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور خدا نے آسمان سے جو (ذریعہ) رزق (پانی) نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے پھیر بدل میں عقل مند لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ خدا کی آیتیں ہیں جن کو ہم ٹھیک (ٹھیک) تمہارے سامنے پڑھتے ہیں تو خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے''۔ (سورۂ جاثیہ، آیت ۳۔۶)

ہوئے کائنات کی ہر چیز مثلاً سورج، چاند، ستارے، پانی، مٹی، دن، رات، سال کے موسموں، بادل، ہوا، بارش، زمین کے نیچے اور زمین کے اوپر موجود ذخائر خزانے اور آخر کار اپنی قدرت و طاقت کے تمام وسائل اور سرمایہ کو اس کے آرام و آسائش کی خاطر کام پر لگائے رکھتا ہے۔ ہم ایسے رابطے اور تعلق کو دنیا کے ہر مظہر اور اس کے اردگرد اور ہمسایہ چیزوں کے درمیان مشاہدہ کرتے ہیں یعنی دنیا کے تمام مظاہر، جن میں انسان زندگی گزارتا ہے، آپس میں مربوط ہیں۔

کائنات کے ہر مظہر کے داخلی نظام میں بھی اس قسم کا تعلق اور رابطہ موجود اور ظاہر ہے۔ اگر فطرت نے انسان کیلئے روٹی مہیا کی ہے تو اس کو حاصل کرنے کیلئے ہاتھ اور کھانے کیلئے منہ اور چبانے کیلئے دانت بھی دیئے ہیں اور ان تمام چیزوں کو زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک قسم کے منظم ذرائع کے ساتھ آپس میں جوڑ کر رکھا ہے یعنی ہر چیز اپنے کمال کی طرف گامزن ہے۔

دنیا کے ماہرین اور دانشور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں رکھتے کہ وہ بے شمار تجربے، جو انہوں نے اپنی چند ہزار سالہ علمی کاوشوں کے ذریعے حاصل کئے ہیں، فطرت اور کائنات کے اسرار کا ایک بہت ہی معمولی جلوہ ہیں، جس کے پیچھے ایک بہت ہی طویل اور بے انتہا سلسلہ موجود ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ہر تازہ انکشاف انسان کے سامنے بے شمار مجہولات (جن چیزوں کا علم نہ ہو) لے کر آتا ہے جن میں انسان گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وسیع جہان ہستی (کائنات) جس کے تمام اجزاء الگ الگ ہوتے ہوئے بھی آپس میں ایک مضبوط اتحاد، وحدت و اتصال اور حیرت انگیز اتفاق رکھتے ہیں، نیز یہ سب ایک لامتناہی طاقت اور علم کو بیان کرتے ہیں، ان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے؟ اور یہ سب کچھ اپنے آپ، عبث اور فضول پیدا ہو گیا ہے؟

کیا یہ جزئی اور کلی نظامات اور آخر کار دنیا کا عمومی نظام، جس نے دنیا کے لامتناہی اجزاء کو آپس میں مربوط اور متصل کر کے ایک بڑا متحدہ کائناتی نظام بنا دیا ہے، اپنے منظم قوانین کے ساتھ جس میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے، ہر چیز میں جاری و ساری ہے، بغیر کسی نقشے کے اتفاقیہ طور پر بن گیا ہے؟ یا ان میں سے ہر ایک مظہر نے اپنی پیدائش سے پہلے ہی اپنے لئے ایک خاص نظام اور طریقہ انتخاب کر لیا ہے؟ اور

اپنی پیدائش کے بعد اس نظام کو خاص موقع ومحل کے مطابق نافذ اور جاری کرتا ہے۔

البتہ وہ انسان جو ہر حادثے، واقعے اور مظہر کو ایک علت اور سبب یا حادثے سے منسوب کرتا ہے اور کبھی کبھی ایک مجہول سبب اور علت کو پیدا کرنے کیلئے مدتوں بحث، کوشش اور جستجو میں گزار دیتا ہے اور کبھی کبھی علمی کامیابیوں کے پیچھے مدتوں چکر لگاتا رہتا ہے، وہ انسان جو ان چند اینٹوں کو دیکھ کر جو بڑی ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے اوپر نیچے رکھی گئی ہوں، اس کو ایک طاقت اور علم کے ساتھ منسوب کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے اتفاق اور حادثہ کی نفی کرتے ہوئے اس کو ایک نقشے اور مقصد کا نتیجہ سمجھتا ہے، ہرگز اس بات پر تیار نہیں ہوگا کہ اس کائنات اور جہان ہستی کی پیدائش کو بے سبب اور بے علت سمجھے یا دنیا کے نظام کو ایک اتفاقیہ حادثہ خیال کرے۔

پس یہ جہان اور کائنات ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں اور وہی نظام اس میں حکومت کرتا ہے اور اس کا پیدا کرنے والا بہت ہی عظیم ہے، جس نے اپنے بیکراں اور ختم نہ ہونے والے علم اور طاقت کے ساتھ اس کو پیدا کیا ہے اور اس کو ایک خاص راستے اور طریقے یا ہدف کی طرف چلا رہا ہے اور وہ وقتی اور چھوٹے چھوٹے حوادث اور بعض دوسرے اتفاقات جو اس جہان میں پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب حالات اور واقعات اسی نکتے تک پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ بنابریں یہ تمام چیزیں ہر طرف سے اسی (خدا) کی تسخیر اور احاطے میں واقع ہیں۔ ہر چیز اپنی زندگی میں اسی (پروردگار) کی محتاج ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج یا نیازمند نہیں ہے اور اس کا کوئی منبع یا سرچشمہ نہیں ہے (نہ کسی کو اس نے پیدا کیا اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾[1]۔

خدا کی وحدانیت

اس دنیا کی ہر وہ حقیقت جس کا ہم ممکنہ طور پر تصور کر سکتے ہیں، ایک محدود حقیقت ہوتی ہے جس کے وجود کا انحصار چند لازمی اسباب اور حالات پر ہوتا ہے۔ اگر وہ حالات اور اسباب موجود نہ ہوں تو وہ حقیقت دنیا میں موجود نہیں ہو سکتی۔ ہر حقیقت کی ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے وہ اپنی ہستی کو نہیں

[1] سورۂ اخلاص، آیت ۳۔ ترجمہ: ''نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا''۔

بڑھا سکتی۔ صرف خدا کی ذات ہی ہے جس کیلئے کوئی حد فرض نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اس کی حقیقت مطلق ہے اور خواہ ہم کسی طرح بھی اس کا تصور کرنے کی کوشش کریں اس کی ذات لامتناہی ہے۔ اس کو کسی سبب اور شرط کے ساتھ مرتبط نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی ذات کسی علت اور شرط کی محتاج ہے۔

واضح ہے کہ لامتناہی اور لامحدود چیز کیلئے کوئی عدد معین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر دوسری چیز جو پہلی چیز کیلئے فرض کے طور پر لائی جائے گی اس پہلی چیز کے علاوہ ہوگی۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں چیزیں محدود اور متناہی ہوں گی اور ایک دوسرے کی حدود اور حقیقت کے برابر ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر اگر ایک حجم کو لامحدود و لامتناہی فرض کریں تو اس کے برابر کسی دوسرے حجم کو فرض نہیں کر سکتے اور اگر فرض کریں گے تو دوسرا حجم پہلے حجم کے برابر اور مانند ہو جائے گا۔ پس خدائے تعالیٰ یکتا، یگانہ اور بے مثال ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔[1]

---

[1] ایک عرب دیہاتی جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: کیا آپؑ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے؟ اس پر وہاں موجود لوگ اس پر جھپٹ پڑے اور اس سے کہا: کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ امیر المومنینؑ جنگ کی گیرودار میں مصروف ہیں اور تم اس موقع پر یہ سوال پوچھ رہے ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! اس لئے کہ اس عربی نے جو پوچھا ہے یہی تو ہم اس جماعت پر واضح کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: یہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا ایک ہے، اس کے چار معانی ہیں۔ دو اللہ کے حق میں ٹھیک نہیں ہیں اور دو ٹھیک ہیں۔ وہ دو معانی ٹھیک نہیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ''خدا ایک ہے'' اور اس کے مدنظر عدد و گنتی ہو، کیونکہ جس کا کوئی دوسرا نہیں ہے وہ عدد میں محدود نہیں ہو سکتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں: خدا تین (باپ، بیٹا، روح) میں سے ایک ہے وہ کافر ہو گئے (عیسائیوں کے نظریہ تثلیث کی طرف اشارہ ہے)۔ اور دوسرا غلط معنی یہ ہے کہ اگر کوئی کہے: فلاں شخص لوگوں میں سے ایک ہے۔ ایک جنس کی نوع ہے (یا اس نوع کا ایک فرد ہے)۔ یہ معنی بھی خدا کے بارے میں درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں تشبیہ پائی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ ہر قسم کی تشبیہ سے پاک ہے۔ اور وہ دو معانی جو خدا تعالیٰ کے بارے میں صحیح ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ کوئی کہے: ''خدا ایک ہے اس لحاظ سے تمام چیزوں میں اس کی طرح کا کوئی اور نہیں ہے'' بے شک خدا تعالیٰ کی ذات ایسی ہی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ کوئی کہے: ''خدا یکتا ہے'' (یعنی نہ عقلی لحاظ سے نہ واقعی لحاظ اور نہ ہی وہمی لحاظ سے کثرت اور تقسیم کے قابل ہے)۔ بے شک اللہ ایسا ہی ہے۔ (بحار الانوار، ج ۳، ص ۲۰۷)

حضرت علی علیہ السلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: اللہ کی معرفت دراصل اسے یکتا جاننا ہے۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۸۶)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت ہو جائے جو کہ لامتناہی اور لامحدود ہے تو خود بخود اس کی وحدانیت بھی ثابت ہو جائے گی، کیونکہ لامتناہی اور لامحدود کیلئے دوسرا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

ذات اور صفات

اگر ایک انسان کا عقلی لحاظ سے تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی ایک ذات ہوتی ہے اور یہ ذات اس کی ذاتی انسانیت یا شخصیت ہی ہے۔ اس کے ساتھ وہ صفات بھی رکھتا ہے جس سے اس کی ذات (شخصیت) کو پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً وہ فلاں کا بیٹا ہے اور اس کا باپ فلاں شخص ہے۔ وہ دانا ہے، طاقتور ہے، اس کا قد اونچا ہے، وہ خوبصورت ہے یا ان صفات کے برعکس ہے۔

اگر چہ ان صفات میں سے بعض صفات مثلاً صفت اوّل اور دوم ہرگز ذات سے جدا نہیں ہیں اور بعض دوسری صفات مثلاً دانائی اور طاقت میں تبدیلی کا امکان موجود ہے، لیکن بہر حال سب کی سب صفات اس کی ذات کے علاوہ ہیں اور ہر صفت میں فرق ہے۔ ذات اور صفت یا تمام صفات میں فرق بہترین ثبوت اور بیّن دلیل ہے کہ وہ ذات جس کی صفت موجود ہو اور وہ صفت جو ذات کا تعارف کراتی ہو، دونوں محدود اور متناہی ہیں، کیونکہ اگر ذات لامحدود اور لامتناہی ہو تو صفات بھی ویسی ہی ہوں گی اور تمام صفات ایک دوسرے کے برابر ہوں گی اور آخر کار سب کی سب ایک ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر فرض کریں کہ انسان کی ذات عین طاقت ہو اور اسی طرح طاقت، عقلمندی، دانائی بلندی اور خوبصورتی تمام کی تمام صفات اس کی عین ذات ہوں (تو یہ قابل تبدیل نہ ہوں گی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ انسان کی ذات ایک الگ حقیقت ہے اور اس کی صفات اس سے ہٹ کر ہیں)۔

گزشتہ بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ عزوجل کیلئے صفت کا وہ مفہوم ہرگز نہیں ہے جس کا ہم نے پہلے تجزیہ کیا ہے، کیونکہ خدا کیلئے کوئی صفت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ صفت حدود کے بغیر نہیں ہوتی اور خدا کی ذات ہر قسم کی حد سے پاک و منزہ ہے (حتیٰ کہ اس چیز سے بھی کہ ''خدا کی ذات ہر قسم کی حد و حدود سے پاک ہے'' کیونکہ یہ بھی ایک طرح کی حد ہے)۔

خدائی صفات کے معنی

جہان آفرینش (فطرت اور کائنات) میں بے انتہا کمالات پائے جاتے ہیں جو صفات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ مثبت صفات ہیں جو ہر جگہ ظاہر ہوتی ہیں اور اپنے وجود کو کامل اور مکمل کرتے ہوئے اس کو زیادہ سے زیادہ وجودی اہمیت کے قابل بناتی ہیں جیسا کہ ایک زندہ چیز مثلاً انسان کا مقابلہ ایک

بے جان اور بے روح چیز مثلاً پتھر کے ساتھ کریں تو واضح ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان تمام کمالات وصفات کو خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے یہ صفات دوسری چیزوں کو دی ہیں۔ اگر خود خدا میں یہ صفات وکمالات موجود نہ ہوتے تو وہ دوسروں کو ہرگز نہ دیتا یا نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی ان کی تکمیل کرتا۔ لہٰذا عقل سلیم کے مطابق یوں کہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ علم و قدرت رکھتا ہے اور ہر حقیقی کمال اسی کے پاس ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے علم اور طاقت کے آثار اور ان کے آثار کے نتیجے میں کائنات کے نظام کی زندگی بھی ظاہر ہے، لیکن اس مطلب کے پیش نظر کہ ذات خداوندی لامحدود اور لامتناہی ہے، یہ کمالات جو اس کیلئے صفات کی شکل وصورت میں ثابت ہوتے ہیں، حقیقت میں عین ذات اور اس طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں اور وہ فرق جو ذات وصفات یا خود صفات کے درمیان نظر آتا ہے صرف مفہوم کے طور پر ہے لیکن حقیقت میں ایک ناقابل تقسیم یکتائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔[1]

اسلام اس غلطی (یعنی صفات کے ذریعے محدودیت کا اثبات یا ان کے انکار کی صورت میں اصل کمال کی نفی) کے سد باب کیلئے اپنے پیروکاروں کے عقیدے اور ایمان کو نفی واثبات کے درمیان ہی رکھتا ہے اور اس سے متجاوز نہیں ہونے دیتا[2] اور حکم دیتا ہے کہ اس قسم کے عقائد رکھے جائیں۔ یعنی خدا علم رکھتا ہے لیکن اس کا یہ علم دوسروں کے علم کی طرح نہیں ہے۔ وہ طاقت رکھتا ہے لیکن اس کی یہ طاقت انسانوں

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: خدا کی ذات اور ہستی ثابت ہے (قابل تغیر یا قابل تقسیم نہیں ہے) اور اس کا علم اس کے عین ذات ہے جب کوئی معلوم چیز نہ تھی، اس کی سماعت بھی عین ذات ہے جبکہ کوئی سنائی دینے والی چیز بھی نہ تھی، اس کی بصارت عین ذات ہے جبکہ دکھائی دی جانی والی چیز کا وجود تک نہ تھا، اس کی قدرت عین ذات ہے حالانکہ اس سے متعلقہ کسی چیز کا کوئی وجود نہ تھا۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۲۵)۔ واضح رہے کہ اس بارے میں اہل بیت اطہارؑ سے بے شمار احادیث منقول ہیں۔

[2] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: خدا تعالیٰ ایسا نور ہے جس میں کسی قسم کی تاریکی کا کوئی شائبہ نہیں، ایسا علم ہے جس میں ذرہ بھر بھی جہالت نہیں اور ایسی حیات ہے جس میں کسی بھی طرح کی کوئی موت نہیں ہے۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۲۹)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا فرمان ہے: صفات کے بارے میں لوگوں کے تین عقیدے ہیں: ایک گروہ اللہ کیلئے دوسری مخلوقات کی مانند صفات ثابت کرتا ہے۔ دوسرا اللہ سے صفات کی نفی کرتا ہے مگر تیسرا گروہ برحق ہے جو اللہ کیلئے صفات ثابت کرتا ہے مگر تشبیہ کی نفی کرتا ہے۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۹۴)

کی طاقت کی طرح نہیں ہے۔ وہ سنتا ہے لیکن کانوں کے ذریعے نہیں (اس کے کان نہیں ہیں)۔ وہ دیکھتا ہے لیکن آنکھوں سے نہیں (اس کی آنکھیں نہیں ہیں) اور اسی طرح دوسری صفات۔

صفات کے معنی میں مزید وضاحت

صفات دو قسم کی ہیں:

۱۔ صفات کمال ۲۔ صفات نقص

صفات کمال جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے، اثباتی معنی رکھتی ہیں جو اپنے وجود کی زیادہ اہمیت کا باعث بنتی ہیں اور اپنے موصوف کے وجودی اعتبار کو زیادہ کرتی ہیں، جیسا کہ ایک زندہ، جاندار، طاقتور اور عقلمند چیز یا وجود کو ایک مردہ، بے علم، بے طاقت چیز یا وجود کے ساتھ مقابلہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے اور ناقص صفات اس کے برعکس ہیں۔ جب ہم ناقص صفات کے معانی پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معنی کے لحاظ سے یہ صفات منفی ہیں اور ان میں کمال موجود نہیں ہے اور ایسے ہی وجودی اہمیت کے نہ ہونے کی بھی خبر دیتی ہیں۔ مثلاً جہالت، عجز، بے عقلی، بدصورتی، بیماری اور بدی وغیرہ۔

بنابریں گزشتہ موضوع کے مطابق صفات نقص کی نفی، صفات کمال کے موجود ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ مثلاً نادانی کی نفی، دراصل دانائی کا اثبات ہے اور ناتوانی کی نفی توانائی کے وجود کا معنی دیتی ہے۔

قرآن کریم ہر صفت کمال کو براہ راست خدائے تعالیٰ کے بارے میں ثابت کرتا ہے اور ہر صفت نقص کی نفی کرتے ہوئے اس کی نفی کو خداوند تعالیٰ کے بارے میں ثابت کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝٥٤﴾

وہ جاننے والا، قدرت والا ہے۔[1]

﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ﴾

اللہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے زندہ بھی ہے اور اسی سے کل کائنات قائم ہے

اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔[2]

---

[1] سورۂ روم، آیت ۵۴۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۵۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ﴾

اور جان لو کہ تم اللہ کو کبھی عاجز نہ کر سکو گے۔[1]

ایک مطلب کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ ایک مطلق حقیقت ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے اور اسی طرح ہر صفت کمال بھی جو اس کے بارے میں ثابت ہوتی ہے وہ بھی محدود معنوں میں نہیں ہوتی[2]۔ خدا تعالیٰ، مادی و جسمانی قیود یا مکان و زمان کی قیود میں محدود نہیں ہے اور ہر حادث و غیر دائمی صفت سے منزہ اور پاک ہے کیونکہ ہر وہ صفت جو حادث ہو خدا اس صفت سے پاک ہے اور ہر وہ صفت جو حقیقت میں خدا سے منسوب کی جاتی ہے وہ محدودیت کے معنی سے بالکل دور ہوتی ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ۚ﴾

کوئی چیز (بھی) اس جیسی نہیں ہے۔[3]

صفات فعل

ایک اور لحاظ سے صفات کی دو اقسام ہیں:

۱۔ صفات ذات ۲۔ صفات فعل۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ کبھی ایک صفت خود موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے، مثلاً زندگی، علم اور طاقت جو ایک زندہ، دانا اور توانا انسان کے ساتھ قائم ہیں اور ہم انسان کو بغیر کسی اور چیز کو مدنظر رکھے ان کے ساتھ متصف فرض کر سکتے ہیں۔ اور کبھی صفت صرف موصوف کی ذات کے ساتھ ہی قائم نہیں ہوتی بلکہ موصوف کو اس صفت کے ساتھ متصف کرنے کیلئے ہمیں بعض دوسری چیزوں کو ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً لکھنا، بولنا اور چاہنا وغیرہ، کیونکہ انسان اس وقت تک ادیب نہیں بن سکتا

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۲۔

[2] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: خدا تعالیٰ زمان و مکان، حرکت و سکون اور نقل و انتقال سے متصف نہیں ہوتا، بلکہ وہ زمان و مکان کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۹۲)

[3] سورۂ شوریٰ، آیت ۱۱۔

جب تک دوات، قلم اور کاغذ کو فرض نہ کرلیا جائے اور اسی وقت تقریر کرسکتا ہے جب اس کیلئے سننے والے کو فرض کرلیا جائے اور اس وقت کسی چیز کو چاہتا ہے جب چاہنے والی چیز موجود ہو۔ بنابریں ان صفات کو ثابت کرنے کیلئے انسان کا فرض ہی کافی نہیں ہے۔

یہاں واضح ہوجاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حقیقی صفات (جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے) جو عین ذات ہیں وہ صرف پہلی قسم کی ہیں، لیکن دوسری قسم کی صفات جن کو ثابت کرنے کیلئے بعض دوسری چیزوں کا سہارا لینا ضروری ہے اور خدا کے سوا ہر چیز مخلوق ہے اور خدا کے سامنے پیدا ہوئی ہیں، لہٰذا ہر چیز کی خلقت کے ساتھ جو صفت وجود میں آتی ہے اس کو اللہ کی صفت ذات اور اس کے عین ذات نہیں کہا جاسکتا۔

وہ صفات جو خدائے تعالیٰ کیلئے کائنات کی پیدائش کے بعد ثابت اور منسوب ہوتی ہیں، مثلاً خالق، کردگار، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور روزی دینے والا وغیرہ عین ذات نہیں ہیں بلکہ ذات کے علاوہ ہیں اور ان کو "صفت فعل" کہا جاتا ہے۔

صفت فعل کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے ثابت اور عملی ہونے کے بعد، اس کا وجود تحقق پذیر ہوتا ہے۔ یہ محض ذات سے حاصل نہیں ہوتیں۔ مثلاً خالق جو کائنات اور مخلوقات کی پیدائش ثابت ہوجانے کے بعد ماخوذ ہوتی ہے اور یہ معنی صرف مخلوقات کے ساتھ قائم ہے نہ کہ خداوند پاک کی مقدس ذات کے ساتھ کیونکہ اگر ایسا ہو تو ذات میں بھی صفت کے ساتھ ساتھ تبدیلی واقع ہوجائے گی۔

شیعہ، دو صفات یعنی "ارادہ" اور "کلام" اور ان سے حاصل ہونے والے معانی کو صفتِ فعل جانتے ہیں،[1] کیونکہ ارادہ چاہنے کے معنی میں ہے اور کلام کا مطلب ہے "الفاظ کا انکشاف" اور علمائے اہل سنت ان صفات کو علم کے معنی میں لیتے ہیں اور ان کو "صفت ذات" کہتے ہیں۔

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی ذات میں "عالم" تھا، حالانکہ "معلوم" موجود نہ تھا اور "قادر" تھا، حالانکہ "مقدور" موجود نہ تھا۔ راوی کہتا ہے: (مولا!) کیا متکلم بھی تھا؟ فرمایا: کلام حادث ہے، خدا موجود تھا، لیکن کلام موجود نہ تھا، اس کے بعد خدا نے کلام کو خلق فرمایا۔ (بحارالانوار، ج ۴، ص ۱۴۷)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے: ارادہ لوگوں کے باطنی وجود سے جنم لیتا ہے اور اس کے بعد "فعل" صادر ہوتا ہے اور خدا ہی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور بس، کیونکہ خدا تعالیٰ ہماری طرح تردید، وہم اور تفکر نہیں رکھتا۔ (بحارالانوار، ج ۴، ۱۴۴)

قضاوقدر

کائنات میں علت اور سبب کا قانون بغیر کسی استثناء کے حکم فرما اور جاری ہے۔ اس قانون کے مطابق اس جہان کا ہر مظہر یا مخلوق اپنی پیدائش میں ایک سبب یا علت کا مرہون منت ہے۔ فرض کریں اگر یہ سبھی اسباب پورے ہوجائیں (جس کو علت تامہ کہتے ہیں) تو مخلوق کی پیدائش (معلول ومفروض) ضروری یا جبری ہوجاتی ہے اور اگر فرض کریں کہ یہ سب یا ان میں سے بعض اسباب موجود نہ ہوں تو مذکورہ مخلوق کی پیدائش محال ہوجاتی ہے۔

اس نظریہ میں تحقیق اور جستجو کے بعد ہمارے لئے مندرجہ ذیل دو امر واضح ہوتے ہیں:

ا۔ اگر ہم ایک مخلوق (معلول) کو مجموعی علت تامہ اور اسی طرح علت تامہ کے اجزاء کے ساتھ پرکھیں تو علت تامہ کے ساتھ اس کی نسبت (رشتہ) "نسبت ضرورت" (جبر) پر ہوگی اور علت تامہ کے تمام اجزاء کو (جن کو علت ناقصہ کہا جاتا ہے) کے ساتھ اس کی نسبت "نسبت امکان" کی ہوگی، کیونکہ ہر علت کا ایک جزء، معلول کی نسبت صرف امکانی وجود رکھتا ہے نہ کہ ضرورت وجود (جبری پیدائش)۔

بنابرایں یہ کائنات جس کے اجزاء کا ہر مظہر اپنی پیدائش میں اپنی "علت تامہ" کے ساتھ لازمی تعلق رکھتا ہے، اس کی پیدائش میں ایک ضرورت کارفرما ہے اور یہ ایک قسم کے قطعی اور ضروری حوادث پر منحصر ہے، لہٰذا اس کے اجزاء میں "صفت امکان" (وہ مظاہر جو اپنی علت تامہ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھتے ہیں) محفوظ رہتی ہے۔

قرآن کریم اپنی تعلیمات میں ضرورت (جبر) کے اس حکم کو قضائے الٰہی کہتا ہے، کیونکہ یہی جبر اور ضرورت کائنات کے پیدا کرنے اور بنانے والے کی ذات سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حکم اور "یقینی قضا" ہے جس میں کسی قسم کی خلاف ورزی یا تبدیلی ممکن نہیں ہے اور یہ بالکل عادلانہ ہے اور اس میں کسی قسم کا امتیاز یا استثناء موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾

یادرکھو اللہ ہی کیلئے ہی خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔[1]

اور پھر فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے: ہوجا! پس وہ ہوجاتی ہے۔[2]

اور پھر فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ﴾

اور اللہ ہی حکم دینے والا ہے کوئی اس کے حکم کا ٹالنے والا نہیں ہے۔[3]

۲۔ علت کا ہر جزء اپنے معلول (نتیجے) کے مناسب اور مطابق ہوتا ہے اور معلول کی پیدائش بھی علت کے تمام اندازوں کے مطابق ہوتی ہے جو علت تامہ نے اس کیلئے معین کر رکھے ہیں۔

مثلاً وہ وجوہات یا علل جو انسان کیلئے سانس لینے کا باعث ہوتی ہیں وہ مطلق تنفس کو پیدا نہیں کرتے بلکہ منہ اور ناک کے اردگرد ہوا کا ایک معین اندازہ، معینہ مکان و زمان اور شکل وصورت میں سانس کی نالی کے ذریعے پھیپھڑوں کے اندر بھیجتے ہیں اور وہ علل واسباب جو دیکھنے کی قوت کو انسان کیلئے پیدا کرتے ہیں (اور انسان بھی انہی کا ایک جزء ہے) قوتِ دید کو بلا قید و شرط ثابت نہیں کرتے بلکہ اس نظر یا دید کو پیدا کرتے ہیں جو ان ذرائع کے سبب ایک خاص اندازے کے مطابق معین کی گئی ہے۔ یہ حقیقت، کائنات کے تمام مظہر اور ان حوادث و واقعات میں بغیر کسی خلاف ورزی کے جاری ہے جو اس کائنات میں رونما ہوتے ہیں۔

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۵۴۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۷۔

[3] سورۂ رعد، آیت ۴۱۔

قرآن مجید نے اپنی تعلیمات میں اس حقیقت کو "قدر" کہا ہے اور خدا تعالیٰ سے منسوب کیا ہے جو تمام کائنات کا سرچشمہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾﴾

بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار سے پیدا کیا ہے۔[1]

اور پھر فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾﴾

اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں۔[2]

(مندرجہ بالا بیان کے بعد واضح ہوا کہ) جس طرح ''قضائے الٰہی'' کے مطابق اس نظام کائنات میں ظاہر ہونے والا ہر حادثہ، واقعہ یا مخلوق ضروری الوجود اور ناقابل اجتناب ہے، اسی طرح ''قدر'' کے مطابق ہر پیدا ہونے والا حادثہ یا مخلوق اپنے اس معینہ اندازے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرتا جو خدائے تعالیٰ نے اس کیلئے معین کر رکھا ہے۔

انسان اور اختیار

انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ اس کائنات کا مظہر ہے اور کائنات کی دیگر تمام مخلوقات کی طرح اس کی پیدائش بھی ایک علت تامہ پر منحصر ہے، لہٰذا اس امر کے پیش نظر کہ انسان بھی کائنات کا ایک جزء ہے اور دنیا کے تمام دوسرے اجزاء کے ساتھ جسمانی تعلق رکھتا ہے، پس اس کے فعل اور کام میں دوسرے اجزاء کو بے اثر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثلاً انسان جو روٹی کھاتا ہے، اس کام کو کرنے کیلئے جیسا کہ ہاتھ، منہ، علم، طاقت اور ارادے کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح روٹی کا وجود اور اس کے دسترس میں ہونا، رکاوٹ کا نہ ہونا اور ایسے ہی دوسرے مکانی اور زمانی شرائط بھی اس عمل کیلئے ضروری ہیں اور اگر ان تمام شرائط میں سے

---

[1] سورۂ قمر، آیت ۴۹۔

[2] سورہ حجر، آیت ۲۱۔

ایک بھی شرط اور ذریعہ موجود نہ ہوتو فعل یا عمل کا ہونا محال ہو جائے گا اور ان تمام شرائط اور ذرائع (علت تامہ) کی موجودگی کی صورت میں اس فعل اور عمل کا تحقق پذیر ہونا لازمی ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ علت تامہ کے تمام اجزاء کی موجودگی میں معلول کے وجود کا حتمی اور ضروری ہو جانا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ انسان کی نسبت جو کہ اس علت تامہ کا ایک جز ہے، یہ فعل امکان کی نسبت رکھتا ہو۔

انسان، فعل کا امکان یا اختیار رکھتا ہے اور تمام اجزائے علت کی نسبت فعل کا ضروری ہونا، اس کے بعض اجزاء کی نسبت، جو انسان ہے، فعل کے ضروری ہونے کا باعث نہیں ہوگا۔ انسان کا سادہ اور بے آلائش و پاک ادراک بھی اس نظریے کی تائید کرتا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی خداداد فطرت اور قابلیت کے ساتھ، کھانے، پینے، آنے، جانے اور صحت، بیماری، بڑائی، چھوٹائی اور بلندی و پستی کے درمیان فرق کو جانتا ہے، اور پہلی قسم جو انسان کے ارادے اور خواہش کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتی ہے، انسان کے اختیار میں سمجھی جاتی ہے اور اس کی تعریف یا برائی بھی کی جاسکتی ہے برخلاف دوسری قسم کے کہ اس میں انسان پر کسی قسم کا کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔

اسلام کے آغاز سے ہی اہل سنت مذہب میں انسانی افعال کے بارے میں دو مذاہب یا نظریے مشہور تھے:

ایک یہ کہ انسان کے افعال خدا کی مرضی کے بغیر انجام نہیں پاتے اور ان کی خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا انسان اپنے افعال یا اعمال میں مجبور ہے اور انسانی اختیار و ارادے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

دوسرا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنے افعال اور اعمال میں خودمختار ہے۔ یہ نظریہ رکھنے والے انسانی افعال کو خدائی ارادے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے "قدر" کے دائرے سے خارج سمجھتے ہیں۔

دونوں نظریات کے مقابلے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق جو قرآن کی ظاہری تعلیم کے ساتھ پوری مطابقت رکھتی ہے، انسان اپنے افعال میں خودمختار ہے، لیکن آزاد نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کے ذریعے انسانی فعل کو جاری کیا ہے اور ہماری پچھلی تعبیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے علت تامہ

کے تمام اجزاء کے ذریعے جن میں سے ایک انسان کا ارادہ اور اختیار ہے، فعل کو جاری کیا ہے اور اس کو لازمی قرار دیا ہے جس کے نتیجے میں خدا کی یہ خواہش فعل کو ضروری اور انسان کو اس میں خودمختار بنادیتی ہے یعنی فعل اپنی علت کے تمام اجزاء کی نسبت ضروری ہوجاتا ہے اور اجزاء میں سے ایک کی نسبت، جو انسان ہے، اختیاری اور ممکن ہوجاتا ہے۔

اس بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ بَلِ الْاَمْرُ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ۔

نہ محض جبر ہے اور نہ ہی محض قدر بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک امر ہے۔[1]

✲✲✲✲✲

حب علیؑ، حب رسولؐ ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا وَ مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ مَنْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کَافَاهُ الْجَنَّةَ.

آگاہ رہو! جس نے علیؑ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جو مجھے دوست رکھے گا اللہ اس سے راضی ہوجائے گا اور جس شخص سے اللہ راضی ہو جائے جنت اس کی پاداش ہے۔

(فضائل الشیعہ، شیخ صدوق)

---

[1] نیز آئمہ اطہار علیہم السلام کا یہ بھی فرمانا ہے: خدا تعالی کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور کرے اور پھر اس پر اسے سزا دے اور اللہ تعالی اس کہیں طاقتور ہے کہ کسی چیز کا حکم دے اور وہ نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: خدا تعالی کے کرم سے بعید ہے کہ وہ لوگوں پر ایسی ذمہ داری ڈالے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو اور اتنا قدرت والا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے ملک میں کوئی چیز وجود میں نہیں آتی۔

(بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۵)

اولاد کی تربیت، والدین کا فریضہ

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

اسلام کی نگاہ میں والدین کی بہت عظمت اور جلالت ہے۔ خدا اور رسولؐ اور آئمہ معصومینؑ کے فرامین والدین کی شان کو اجاگر کرتے ہیں۔ کتنی آیات اور کتنی احادیث میں اس بات کی تاکید کردی گئی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا بہترین عبادت ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

اور آپؐ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا۔ اور ان کیلئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار اُن دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔[1]

اس آیہ مجیدہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی توحید عبادی کے ساتھ والدین کے ساتھ نیکی کو جوڑ دیا اور والدین کے حق میں دُعا کو اپنی ذات کے ساتھ مناجات قرار دیا ہے۔

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۳۔ ۲۴۔

منصور بن حزام سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روایت کرتے ہیں:

اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا وَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ وَ الْجِھَادُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: (مولا!) سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: وقت پر نماز کی ادائیگی، والدین کے ساتھ نیکی اور اللہ عزوجل کے راستے میں جہاد۔[1]

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ والدین اس مقام و منزلت پر کیسے پہنچے؟ کیا خداوند متعال نے انہیں بے جا اتنی افضیلت اور بزرگی عنایت کی ہے؟ درحقیقت رب ذوالجلال نے اپنی ربوبیت کے صدقے انہیں وہ مقام عطا کیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں اور انہیں منزل کمال تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح خداوند عالم نے والدین کے حقوق قرار دیئے ہیں اسی طرح اولاد کے بھی حقوق ہیں۔ حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

کَمَآ اَنَّ لِوَالِدَیْكَ عَلَیْكَ حَقًّا. كَذٰلِكَ لِوَلَدِكَ عَلَیْكَ حَقًّا۔

جس طرح آپ کے والدین کا آپ پر حق ہے، اسی طرح اولاد کا بھی حق ہے۔[2]

پھر ارشاد فرمایا:

اَعِیْنُوْا اَوْلَادَكُمْ عَلَی الْبِرِّ۔

اپنی اولاد کو نیکی و بھلائی میں مدد کرو۔[3]

اسی طرح ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَاَدَّبَهَا وَ اَحْسَنَ اَدَبَهَا. وَعَلَّمَهَا وَ اَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا. وَاَوْسَعَ

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۱۵۸۔

[2] مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۱۴۵۔

[3] مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۱۴۵۔

عَلَيْهَا مِنْ نِعَمِ اللهِ الَّتِيْ اَوْسَعَ عَلَيْهِ. كَانَتْ لَهٗ مَنَعَةً وَّ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔

جسے خدا نے بیٹی دی ہو اور وہ اس کی تعلیم و تربیت میں بھرپور کوشش کرے اور اس کی رفاہ و بہبود اور آسائش کا انتظام کرے تو وہ بیٹی اسے آتش جہنم سے بچانے کیلئے ڈھال بن جائے گی۔[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت بھی بتادی کہ تعلیم کا حصول فقط بیٹوں کیلئے ہی نہیں بلکہ علم حاصل کرنا بیٹیوں کیلئے بھی یکساں فریضہ ہے اور بچیوں کی تربیت میں خاصی توجہ اس امر کی غماض ہے کہ بیٹی فقط بیٹی ہی نہیں ہوتی بلکہ معاشرہ ساز رکن ہوا کرتی ہے۔ تعلیم و تربیت سے سرشار بیٹی خاندان کی تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ دنیا و آخرت میں سعادت کا ذریعہ بنتی ہے۔ وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا جس کی خواتین ناخواندہ اور تعلیم کے گوہر سے آراستہ نہ ہوں۔ معاشرہ کی ترقی کا راز خواتین میں علم و شعور کو اجاگر کرنا ہے۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ خواتین کو تعلیم کی ضرورت نہیں اور ان کی ذات فقط چار دیواری تک محدود ہے تو یہ اسلامی سوچ نہیں بلکہ دقیانوسی فکر کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے بیٹا بیٹی کیلئے مساوی تعلیمی حقوق قرار دیئے ہیں۔ والدین چونکہ انسان ساز اور کمال آفرین ہیں اس لئے ان کی جانب سے اولاد کیلئے سب سے بڑی نعمت، اچھی تربیت، خوش اخلاقی، خیر خواہی، آزاد منشی، عدالت، شریعت، ایمان اور تعلیم و تربیت سے سرشار ہونا ہے۔ ایسی اولاد قابل ستائش ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِّنْ نَّحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔

والد اپنے بیٹے کیلئے جو بہترین چیز عنایت کرسکتا ہے، وہ اچھی تربیت اور ادب ہے۔[2]

یاد رہے وہ والدین جو اپنے بچوں کی تربیت سے غافل ہیں اور انہیں اپنے قول و فعل کے ذریعے منحرف کررہے ہیں، وہ اولاد کے حق میں بہت بڑی کوتاہی کررہے ہیں۔ اس لئے کہ والدین کا کام فقط

---

[1] مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۱۵۸۔

[2] مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۱۵۹۔

بچے کو وجود میں لانا نہیں بلکہ اس کی تعلیم و تربیت میں بھی پوری توجہ کرنا ہے اور یہ ان کا شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ بنا برین اولاد کی تربیت والدین کا اولین فریضہ ہے۔ اس لئے کہ کل یہی بچے مستقبل کے ذمہ دار ہوں گے اور خود والدین قرار پائیں گے۔ یہ جو کچھ آج سیکھیں گے وہ کل اپنی اگلی نسل اور قوم کے حوالے کریں گے۔ اگر اچھی تربیت سے بہرہ مند ہوں گے تو کل صالح، موحد اور پاک معاشرہ تشکیل دیں گے اور اگر تربیت ناقص ہوگی تو کل کا معاشرہ بھی ناقص ہوگا۔ بنا بریں والدین آئندہ نسل اور معاشرہ کی خیر و صلاح کے ذمہ دار ہیں۔ چاہیں تو اصلاح کریں یا پھر اسے تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیں۔

پس معلوم ہوا کہ والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کر دیں تو انہوں نے معاشرہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اولاد کی تربیت دراصل معاشرہ کی خدمت ہے اور اس کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اس سے وہ دنیا میں بھی عزت و سرفرازی حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں بھی فضل و ثواب الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ والدین غفلت اور سہل انگاری کا شکار ہو جائیں تو نہ فقط بچوں کے حق میں کوتاہی اور جسارت ہوگی بلکہ ایک قوم کے ساتھ بھی خیانت شمار ہوگی اور اس کے متعلق کل ان سے پوچھا جائے گا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ وَ يُحَسِّنَ اَدَبَهُ وَ يُعَلِّمَهُ الْقُرْاٰنَ۔

بچے کا باپ پر حق یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کی اچھی تربیت کرے اور اسے قران کی تعلیم دے۔[1]

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلٰى وَالِدِهٖ ثَلَاثَةٌ: يُحَسِّنُ اسْمَهُ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَةَ وَ يُزَوِّجُهُ اِذَا بَلَغَ۔

والد پر اولاد کے تین حق ہیں: اچھا نام رکھے، ان کو لکھنا سکھائے اور جب وہ بالغ

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۶۱۷۔

ہو جائیں تو ان کی شادی کرے۔[1]

اچھے نام کی انسان کی شخصیت میں تاثیر

انسان کی شخصیت میں شگوفائی کا ایک اہم راز اچھا نام ہے۔ اس لئے تاکید کی گئی کہ اپنے بچے کا اچھا نام انتخاب کریں، کیونکہ اس سے اظہار محبت بھی ہوتی ہے اور جس کے نام پر نام گزاری کی ہے اس سے بھی جذبہ محبت اور وابستگی بڑھ جاتی ہے۔ روایت میں ملتا ہے کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

جُعِلْتُ فِدَاكَ! إِنَّا نُسَمِّيْ بِأَسْمَآئِكُمْ وَ أَسْمَآءِ اٰبَآئِكُمْ فَيَنْفَعُنَا ذٰلِكَ؟ فَقَالَ:
إِيْ وَ اللهِ! وَ هَلِ الدِّيْنُ إِلَّا الْحُبُّ؟ قَالَ اللهُ: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَ اللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾[2]۔

فرزند رسولؐ! ہماری جانیں آپؑ پر قربان! ہم اپنے بچوں کے نام آپؑ اور آپؑ کے آباء طاہرینؑ کے اسمائے گرامی پر رکھتے ہیں، کیا یہ کام ہمارے لئے فائدہ مند ہے؟ آپؑ نے فرمایا: قسم بخدا! ایسے ہی ہے! اور کیا دین محبت کے سوا بھی کچھ ہے۔ پھر یہ آیہ مجیدہ تلاوت فرمائی جس میں ارشاد ہے: ''حبیبؐ! ان سے کہہ دیجئے: اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے''۔[3]

یاد رہے بچوں کے اچھے نام رکھنے سے انسان کی تہذیب و ثقافت کا بھی پتہ چلتا ہے اور اس کی معاشرتی و خاندانی زندگی کی بھی خبر ہوتی ہے۔ نام گزاری ایک فیشن نہیں بلکہ ایک نظریاتی زندگی کی دلیل ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۸۰۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۳۱۔

[3] بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۹۵۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ بدو اور خانہ بدوش لوگ اپنے بچوں کے نام درندوں (کتوں اور بلیوں) کے ناموں پر کیوں رکھتے ہیں (جس طرح: کلب، نمر، فہد وغیرہ) تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

كَانَتِ الْعَرَبُ اَصْحَابَ حَرْبٍ وَّ كَانَتْ تُهَوِّلَ عَلَى الْعَدُوِّ بِاَسْمَآءِ اَوْلَادِهِمْ وَ يُسَمُّوْنَ عَبِيْدَهُمْ فَرَجًا وَّ مُبَارَكًا وَّ مَيْمُوْنًا وَّ اَشْبَاهَ ذٰلِكَ يَتَيَمَّنُوْنَ بِهَا۔

چونکہ اہل عرب، جھگڑالو اور جنگجو تھے، اس لئے اپنے بچوں کے ایسے نام رکھ کر دشمن کو دہشت میں مبتلا کرتے تھے اور وہ اپنے غلاموں کے نام: فرج، مبارک، میمون وغیرہ رکھتے تھے تاکہ وہ ان ناموں سے تبرک حاصل کریں۔[1]

علاوہ ازیں نام کی تاثیر نہ فقط انسان کی اپنی شخصیت میں تعمیر زندگی کرتی ہے بلکہ سننے والے پر بھی اثر چھوڑتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کا نام یزید و شمر ہو تو اس سے احساس نفرت پیدا ہوتا ہے، حالانکہ یہ اس شخص کا نام ہے مگر نام گزاری کی کتنی تاثیر ہے۔ اسی طرح جب کسی کا نام حسن و حسین ہو تو انسان ان ناموں سے کتنا مانوس ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَصْدَقُ الْاَسْمَآءِ مَا سُمِّيَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ وَ خَيْرُهَا اَسْمَآءُ الْاَنْبِيَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔

سب سے سچے نام وہ ہیں جن سے اللہ کی عبودیت کا پتہ چلتا ہے اور ان میں سے بہترین نام انبیاء علیہم السلام کے ہیں۔[2]

ناموں کی تاثیر اور اثر گزاری کی وجہ سے ہی حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے ناموں کو اچھے ناموں میں بدل دیتے تھے۔[3]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۵، ص ۱۱۵۔

[2] معانی الاخبار، ص ۱۴۶۔

[3] گفتار فلسفی، ج ۲، ص ۲۲۸۔

بہرکیف ہمیں مغربی تہذیب کے غیر مفہوم ولایعنی ناموں سے ہٹ کر اپنی دینی واسلامی ثقافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے بچوں کے بامعنی اور بامفہوم نام رکھنے چاہئیں۔

اولاد کی اچھی تربیت

واضح رہے کہ تربیت اولاد کا آغاز شکم مادر یا ولادت کے بعد ہی سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی ابتدا شریک حیات کے انتخاب سے شروع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے روایات میں تاکید کی گئی کہ خاتون کے انتخاب میں جمال و مال کو نہ دیکھا جائے بلکہ سیرت و کردار کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس لئے کہ یہی سیرت و کردار بچے کی نفسیات اور کمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ۔

ہر مولود فطرت الٰہیہ (توحید الٰہی) پر پیدا ہوتا ہے اور یہ والدین ہیں جو اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں۔[1]

انسان فطرت توحید، یکتا پرستی اور حق جوئی پر خلق ہوتا ہے اور یہ والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اسی توحید پر قائم رکھیں اور ان کی فطرت الٰہیہ میں شکوفائی اور نکھار پیدا کریں اور انہیں جہل و نادانی سے بچائیں۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تربیت اولاد سے متعلق والدین کی ذمہ داریوں سے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَمَّا حَقُّ وَلَدِكَ فَاَنْ تَعْلَمَ اَنَّهٗ مِنْكَ وَمُضَافٌ اِلَيْكَ فِيْ عَاجِلِ الدُّنْيَا بِخَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَاَنَّكَ مَسْئُوْلٌ عَمَّا وَلِيْتَهٗ بِهٖ مِنْ حُسْنِ الْاَدَبِ وَالدَّلَالَةِ عَلٰى رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمَعُوْنَةِ لَهٗ عَلٰى طَاعَتِهٖ فَاعْمَلْ فِيْ اَمْرِهٖ عَمَلَ مَنْ يَّعْلَمُ اَنَّهٗ مُثَابٌ عَلَى الْاِحْسَانِ اِلَيْهِ مُعَاقَبٌ عَلَى الْاِسَآئَةِ اِلَيْهِ. فَاعْمَلْ فِيْ اَمْرِهٖ عَمَلَ الْمُتَزَيِّنِ بِحُسْنِ اَثَرِهٖ عَلَيْهِ فِيْ عَاجِلِ الدُّنْيَا الْمُعْذِرِ اِلٰى رَبِّهٖ فِيْمَا بَيْنَكَ وَ

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۱۸۷۔

بَيْنَهُ بِحُسْنِ الْقِيَامِ عَلَيْهِ وَ الْاَخْذِ لَهُ مِنْهُ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

تم پر بیٹے کا حق یہ ہے کہ جان لو وہ تمہارے ہی وجود کا حصہ ہے اور اس دنیا میں خیر و شر کے حوالے سے تم ہی سے منسوب ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسے ادب سکھاؤ اور پروردگار کی طرف اس کی راہنمائی کرو اور اطاعت الٰہیہ میں اسکی مدد کرو۔ اگر تم اس ذمہ داری کو نبھاؤ گے تو اجر و ثواب پاؤ گے اور اگر اس انجام دہی میں کوتاہی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ پس اس کے بارے میں ایسا طرز عمل اختیار کرو جو اس دنیا میں اس پر اچھا اثر ڈالے اور اس دنیا میں تمہیں بارگاہ الٰہی میں سرخرو کردے۔ اور قوت و طاقت تو بس خدائے بزرگ و برتر ہی کی طرف سے ہے۔[1]

امام علیہ السلام نے بتادیا کہ والدین کو اپنی اولاد سے متعلق یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دنیا و آخرت میں ان کیلئے خیر و شر کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے انہیں تعلیم کے ساتھ ساتھ خدا کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ بچے جتنے بھی پڑھ جائیں اگر دین سے دور ہیں اور اطاعت خداوندی کی طرف مائل نہیں ہیں تو یہ سارا علم دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور اس کا کوئی فائدہ ملنے والا نہیں۔ علاوہ ازیں والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے اعمال اور اس کے اثرات سے بھی غافل نہ ہوں۔ اس لئے کہ خیر و خوبی کا ثواب اور برائی کا عذاب ملے گا اور پھر اپنی اولاد کی ترقی و کمال سے متعلق والدین کو بھرپور کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ کوتاہی کی صورت میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

قرآن کی تعلیم

والدین کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم سے سرشار کریں۔ انہیں قران کی تعلیم، احکام شرعیہ، اخلاق، علوم اہلبیتؑ اور لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ خود پڑھائیں یا ان کیلئے اچھے استاد کا انتخاب کریں۔ بچوں کی تعلیم سے متعلق حضور گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ۱۵۔

اِنَّ الْمُعَلِّمَ اِذَا قَالَ لِلصَّبِیِّ: بِسْمِ اللّٰہِ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ وَ لِلصَّبِیِّ وَ لِوَالِدَیْہِ بَرَآءَۃً مِّنَ النَّارِ۔

جس وقت استاد بچے کو بسم اللہ پڑھاتا ہے، خدوند عالم، اس استاد، بچے اور اس کے والدین کیلئے جہنم سے آزادی کا پروانہ لکھ دیتا ہے۔[1]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ قَبَّلَ وَلَدَہٗ کَتَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ لَہٗ حَسَنَۃً وَّ مَنْ فَرَّحَہٗ فَرَّحَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ مَنْ عَلَّمَہُ الْقُرْاٰنَ دُعِیَ بِالْاَبَوَیْنِ فَیُکْسَیَانِ حُلَّتَیْنِ یُضِیْٓءُ مِنْ نُوْرِھِمَا وُجُوْہُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔

جس نے اپنے فرزند کا بوسہ لیا، اللہ تعالیٰ اسے ایک نیکی عطا کرتا ہے اور جو اسے خوش کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے خوش کرے گا اور جو شخص اپنے بچے کو قران کی تعلیم دیتا ہے، قیامت کے دن خداوند متعال اس کے والدین کو نورانی حلّہ سے ملبوس کرے گا کہ جس کے نور سے اہل بہشت کے چہرے منور ہو جائیں گے۔[2]

اور پھر قرآنی تعلیم اور حلال وحرام سے متعلق معلومات کی اہمیت کے بارے میں اپنے بیٹے کو ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْغُلَامُ یَلْعَبُ سَبْعَ سِنِیْنَ وَ یَتَعَلَّمُ الْکِتَابَ سَبْعَ سِنِیْنَ وَ یَتَعَلَّمُ الْحَلَالَ وَ الْحَرَامَ سَبْعَ سِنِیْنَ۔

بچے کے ابتدائی سات سال کھیلنے کودنے کے ہیں، اگلے سات سال لکھنا (پڑھنا) سیکھے اور اس کے بعد کے سات سال اسے حلال وحرام کی تعلیم دے۔[3]

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۵، ص ۱۶۶۔

[2] مستدرک الوسائل، ج ۶، ص ۴۹۔

[3] الکافی، ج ۶، ص ۴۷۔

اہلبیت اطہار علیہم السلام نے تعلیم و تعلم کیلئے کتنا بہترین پیکج دے دیا اور ہمیں متوجہ کیا کہ اپنی اولاد کی دینی اصولوں کے مطابق تربیت کریں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ صدیاں پہلے آج کے دور کیلئے ارشاد فرمایا:

وَيْلٌ لِاَطْفَالِ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ اٰبَآئِهِمْ. فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مِنْ اٰبَآئِهِمُ الْمُشْرِكِيْنَ. فَقَالَ: لَا. مِنْ اٰبَآئِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ شَيْئًا مِّنَ الْفَرَآئِضِ وَ اِذَا تَعَلَّمُوْا اَوْلَادُهُمْ مَنَعُوْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُمْ بِعَرَضٍ يَّسِيْرٍ مِنَ الدُّنْيَا. فَاَنَا مِنْهُمْ بَرِيْءٌ وَّ هُمْ مِنِّيْ بُرَآءُ۔

افسوس ہے آخری زمانے کے بچوں کی حالت پر جس کا باعث ان کے والدین بنیں گے! پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! کیا ان کے والدین مشرک ہوں گے؟ فرمایا: نہیں، ان کے والدین مومن ہوں گے مگر وہ اپنی اولاد کو واجبات و فرائض سے متعلق کچھ نہیں سکھائیں گے اور جب ان کی اولاد (واجبات) سیکھنا چاہیں گے تو انہیں روکیں گے اور انہیں دنیا کی کامیابیوں کی ترغیب دیں گے۔ (یاد رکھو!) میرا ان کے ساتھ اور ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئیاں اس وقت سچی ہو رہی ہیں۔ کتنے والدین ہیں جو اپنے بچوں کو دین پڑھنے یا دینی علوم سیکھنے کی ترغیب و تشویق دلاتے ہیں؟ بلکہ ان کی نگاہ میں جب بھی دینی علوم کی بات آتی ہے تو انہیں مستقبل نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے فیوچر کا کیا بنے گا؟ یہ در بدر دست نگر ہو جائیں گے۔ کیا خداوند عالم کی رازقیت پر ایمان نہیں؟ جو پتھر کے اندر کیڑے کو رزق دیتا ہے، کیا وہ اپنی احسن التقویم مخلوق کو محروم کرے گا؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ بچے جو ذہنی و فکری صلاحیتوں میں کمزور ہوتے ہیں انہیں مدرسوں کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ حالانکہ الٰہیات، علم کلام اور دینی علوم کے حصول کیلئے انتہائی ذہین و فطین قسم کے افراد ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ وہ انسان کی روح پر کمانڈ رکھتے ہیں۔ ان کی

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۵، ص ۱۹۴۔

حکومت فقط ان کے بدنوں پر نہیں ہوتی۔ وہ دلوں کے دھاروں کو بدلنے والے ہوتے ہیں۔ قوموں کی تعمیر و ترقی میں حصہ دار بنتے ہیں۔ اس وقت اخلاقی زبوں حالی، بے راہ روی، مار دھاڑ، قتل و غارت، بے امنی، دہشت گردی اور انتہا پسندی جیسی امراض اسی امر کا شاخسانہ ہیں۔

تربیت کیوں نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا مال سپلائی کیا تھا ایسی ہی اس کی پروڈکشن ہوتی ہے۔ دنیا مکافات عمل ہے۔ اس لئے والدین سے التماس ہے کہ وہ اپنے لائق سمجھدار ذہین وفطین بچوں کو علم دین کیلئے بھیجیں اور پھر دیکھیں چند سالوں میں کیا قومی انقلاب بپا ہوتا ہے۔ کس طرح دینی اقدار کا احیاء ہوگا اور کس طرح تہذیب و تمدن میں ترقی ہوگی۔ اس کا راز یہی ہے کہ ہم دینی اقدار کی حفاظت کریں۔

اس وقت عالم اسلام دینی وتہذیبی ضرب کی زد میں ہے۔ چاروں طرف سے طاغوتی حربے جاری ہیں اور اس وقت ہم سرد جنگ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ دشمن ہماری آئندہ نسلوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ہماری قیادت کو کمزور اور ہماری عوام کو بزدل ورسوا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہزاروں چینلز سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور کہیں اسلام فوبیا، کہیں ایران فوبیا اور کہیں اسلام کو دہشت گردی کے مساوی اور کہیں پر رجعت پسندی اور کہیں پر انتہاء پسند کہہ کر اسلامی حقائق کو دبایا جا رہا ہے۔

ایسے حالات میں ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اولاد کی اپنی دینی وتہذیبی اقدار کے مطابق تربیت کریں۔ انہیں قرآن واہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے روشناس کریں۔ انہیں حقیقی اسلام جس میں پیار و محبت خلوص و اخلاص، امن و امان وحدت انسانی جیسی صفات سے آشنا کریں اور اپنے ربّ ذوالجلال پر توکل کرتے ہوئے اپنے مولا و آقا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دُعا کا زمزمہ کرتے ہوئے اور اپنے دل وجان کی تسکین قرار دیں:

اَللّٰهُمَّ وَ مُنَّ عَلَيَّ بِبَقَآءِ وُلْدِيْ وَ بِاِصْلَاحِهِمْ لِيْ وَ بِاِمْتَاعِيْ بِهِمْ. اِلٰهِيْ اَمْدُدْ لِيْ فِيْ اَعْمَارِهِمْ. وَ زِدْ لِيْ فِيْ اٰجَالِهِمْ. وَ رَبِّ لِيْ صَغِيْرَهُمْ. وَ قَوِّ لِيْ ضَعِيْفَهُمْ. وَ اَصِحَّ لِيْ اَبْدَانَهُمْ وَ اَدْيَانَهُمْ وَ اَخْلَاقَهُمْ. وَ عَافِهِمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَ فِيْ

جَوَارِحِهِمْ وَفِيْ كُلِّ مَا عُنِيْتُ بِهٖ مِنْ اَمْرِهِمْ. وَاَدْرِرْ لِيْ وَعَلٰى يَدَيَّ اَرْزَاقَهُمْ.
وَاجْعَلْهُمْ اَبْرَارًا اَتْقِيَآءَ بُصَرَآءَ سَامِعِيْنَ مُطِيْعِيْنَ لَكَ. وَلِاَوْلِيَآئِكَ
مُحِبِّيْنَ مُنَاصِحِيْنَ. وَلِجَمِيْعِ اَعْدَآئِكَ مُعَانِدِيْنَ وَمُبْغِضِيْنَ. آمِيْنَ۔

اے میرے اللہ! مجھ پر میری اولاد کی بقا اور ان کے حالات کی اصلاح فرما کر اور ان کی بہرہ مندی کا سامان فراہم کر کے مجھے ممنوں احسان فرما۔ اے معبود! میرے سہارے کیلئے ان کی عمر دراز کر دے اور ان کی زندگیوں کو طولانی فرما۔ ان کے کمسنوں کی تربیت، کمزوروں کو توانائی عنایت فرما اور ان کے بدن کو صحت عطا فرما۔ ان کے جسمانی، ایمانی اور اخلاقی حالات کو درست فرما۔ ان کے نفوس اور اعضاء و جوارح کو عافیت سے ہمکنار فرما اور میری خاطر انہیں وافر رزق عطا فرما۔ انہیں نیکوکار، متقی، پرہیزگار، بصیرت رکھنے والا دل، حق کو سننے والے اطاعت گزار اور اپنے اولیاء کا محب اور خیر خواہ قرار دے۔
پروردگار! تو انہیں اپنے تمام دشمنوں اور بغض رکھنے والوں سے دور فرما! آمین۔[1]

خداوند عالم سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اولاد کی صحیح تربیت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور انہیں سایۂ قرآن و عترت نصیب فرمائے۔

✲✲✲✲✲

[1] صحیفہ سجادیہ، دُعا نمبر ۲۵۔

اعتکاف، خلوت میں اُنس

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی
(ناروے)

''اعتکاف''، جیسی عظیم عبادت سے بہت سے مومنین ومومنات یا تو آگاہ نہیں یا اگر اس کے بارے میں سنتے ہیں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے فقہ وفرقہ میں نہیں ہے۔ حالانکہ ''اعتکاف''، جیسی اہم عبادت کیلئے قرآنی فرمان سورۂ بقرہ میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دے دیا کہ مقام ابراہیمؑ کو مصلّی بناؤ اور ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے عہد لیا کہ ہمارے گھر کو طواف اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک وپاکیزہ بنائے رکھو۔[1]

اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہے کہ یہ عبادت نہ صرف شریعت محمدیہ میں بلکہ سابقہ ادیان اور پیغمبروں کے زمانے میں بھی رائج اور قابل عمل تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجد الحرام وخانۂ کعبہ کو دو عظیم پیغمبروں سے طواف اور اعتکاف کرنے والوں کیلئے پاک کرنے اور پاک رکھنے کا عہد وپیمان لیا گیا۔

اس کے علاوہ اسی سورہ کی ایک اور آیہ مجیدہ اعتکاف کی اہمیت اور الٰہی احکام کی عظمت پر زور دیتی

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵۔

ہے۔ اگرچہ یہ آیت رمضان المبارک اور اس کی راتوں میں خواتین سے علیحدگی پر زور دے رہی ہے، مگر اس سے اعتکاف کی اہمیت کو صاف طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ﴾

اور (خبردار!) جب تم مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہو تو اپنی عورتوں سے

نزدیکی مت کرنا۔[1]

ان دو آیات کے علاوہ سات دیگر آیات جن میں مادہ ''عکف'' سے اگرچہ فقہی اصطلاح اور معنی کے اعتبار سے اعتکاف تو مراد نہیں ہے مگر ان کے معانی ''اقامت'' (یعنی کسی خاص جگہ ٹھہرنا) کے لحاظ سے اعتکاف سے بہت ہی قریبی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔[2]

اعتکاف کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

''اعتکاف'' عربی میں مادہ ''عکف'' سے ہے۔ لغوی اعتبار سے مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو سب کے تقریباً ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔

اصطلاحی لحاظ سے سب کی تعبیر اس طرح ہے:

الف: کسی خاص چیز کی طرف توجہ اور پابندی۔

ب۔ کسی بات کا ایسا قبول کرنا کہ اس سے واپس نہ پلٹے۔

ج۔ کسی چیز کو کہیں مقید اور بند کرنا۔

د۔ کسی بات کا ایسا قبول کرنا اور اس کی پابندی کہ جس میں عظمت کا اظہار ہو۔

ہ۔ کسی خاص جگہ کا اختیار کرنا اور اس میں ٹھہرنا۔

ز۔ کسی خاص جگہ پابندی سے ٹھہر جانا۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۷۔

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۳۷۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۹۱ و ۹۷۔ سورۂ انبیاء، آیت ۵۲۔ سورۂ شعراء، آیت ۲۵۔ سورۂ فتح، آیت ۲۵۔

''عکوف''، یعنی کسی جگہ ایسا مقیم ہو جانا کہ ٹھہرنے والا اپنے آپ کو محبوس کر لے اور وہاں سے ہرگز نہ نکلے اور جس مقصد سے ٹھہرے اس کی اہمیت اور عظمت بھی ہو۔ یعنی بغیر کسی اہم ہدف کے ٹھہرنا بھی عبث ہوگا۔ اسی لئے ''اعتکاف'' اور دوسرے مقیم ہونے یا ٹھہرنے میں یہ فرق ہے کہ اس عمل میں ایک توجہ اور لگاؤ جس میں عظمت کا بھی خیال پایا جاتا ہے اور دوسرے مقیم ہونے یا ٹھہرنے میں یہ بات نہیں ہوتی۔

تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور ہمارے پیغمبر اسلام، خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت سے مبعوث بہ رسالت ہوئے اسی وقت سے ''ایک خدا'' کی عبادت اور پرستش کی دعوت دیتے رہے۔ اس بندگی میں خالق حقیقی سے جہاں ایک توجہ اور لگاؤ مقصد تھا، وہاں اس انسان کی قربت الٰہی بھی منظور تھی۔ عبد و معبود میں رشتہ قائم رکھنا اور بندے کو اپنے رب سے نزدیک سے نزدیک کر دینا ہی ہدف رسالت تھا۔ چنانچہ انہی مقاصد کی خاطر یہ سارے اعمال و عبادات نبی اکرمؐ کے ذریعہ ہم کو ملے ہیں۔

توریت و انجیل اور دیگر صحف و عہد قدیم کی کتابوں میں ''خلوت نشینی'' اور ''سماج سے دوری و علیحدگی کر کے عبادت کرنے'' کا سلسلہ بھی ملتا ہے۔ عیسائیت میں ''رہبانیت'' اعتکاف جیسی عبادت ملتی ہے جس میں ''خلوت نشینی'' کا پہلو زیادہ ہے اور اسی میں آخرت کی یاد میں عبادت کرنا اور مشکل ترین امراض کا علاج کرنا، یہی عیسائیت میں آداب و مناسک تھے اور ہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیمات ہرگز نہ تھیں، جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت ۲۷ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ عیسائیوں کا عمل، بادشاہوں کے مظالم سے دور ہونے کیلئے شروع ہوا تھا۔ یہ غاروں اور صحراؤں کی تنہائیوں میں جا کر چھپتے اور عبادت کرتے تھے۔ شروع، شروع میں تو غار کی بات تھی لیکن بعد میں ان کے اپنے معبد میں یہی کچھ سلسلہ چل نکلا۔ ان عیسائیوں میں کچھ تو دین پر باقی رہے اور کچھ کافر ہو گئے۔ چنانچہ ''ترک دنیا'' کسی طرح بھی درست نہ تھا اور نہ ہے۔ چونکہ ہمارے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت، کامل و مکمل تھی اور تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے، اس لئے آپ کو ایک جامع اور سعادت بخش اعمال کا بہترین سلسلہ عطا ہوا ہے جو دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود ہی کیلئے ہے۔

اعتکاف کی فضیلت

اس کیلئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اس اہم عمل کا ایک خاص ہدف ہے، اس کا مقصد ترک دنیا اور دنیا سے کنارہ کشی ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف ایک عبادت ہی نہیں بلکہ بہترین عبادتوں کا مجموعہ ہے جس میں کمال و برکات اور فضائل ہیں۔ جیسے تفکر، روزہ، نماز، قرائتِ قرآن، دُعا، تہجد (نماز شب)، مسجد میں حاضری، نمازِ باجماعت اور توجہ خاص کے ساتھ ذکر خدا میں مشغول ہونا وغیرہ۔

اس اہم عبادت کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ یہ عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ اعتکاف کا مساجد سے مربوط ہونا ہی اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ ہمارے فقہاء عام طور پر اس کیلئے جامع مسجد کی شرط لگاتے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کم از کم تین دن روزہ رکھے بغیر یہ عمل ہو نہیں سکتا اور کم از کم تین دن مسجد میں ٹھہرنا بھی ہوگا۔ اس لئے کہ اعتکاف کی کم سے کم مقدار تین دن ہے اور یہ صرف روزے کی حالت میں ہی واقع ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ معتکف روزہ دار ہوتا ہے جس کی فضیلت کیلئے یہ حدیث قدسی ہی کافی ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔[1]

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتکاف کا نتیجہ بخشش ہی بخشش ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اعْتَکَفَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

جس کسی نے ایمان اور اپنا احتساب کر کے اعتکاف کیا، اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[2]

مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے والوں کیلئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰہِ مِائَۃً وَّ عِشْرِیْنَ رَحْمَۃً عِنْدَ بَیْتِہِ الْحَرَامِ مِنْھَا سِتُّوْنَ لِلطَّآئِفِیْنَ

---

[1] عدۃ الداعی، ص ۲۴۰۔

[2] کنز الاعمال، ج ۸، ص ۵۳۰، حدیث ۲۴۰۰۔

وَ اَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّیْنَ وَ عِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِیْنَ۔

خداوند متعال ایک سو بیس رحمت روزانہ خانہ کعبہ پر نازل کرتا ہے۔ ساٹھ رحمت طواف کرنے والوں کیلئے، چالیس رحمت اعتکاف کرنے والوں کیلئے اور بیس رحمت کعبہ پر نظر ڈالنے والوں کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔[1]

یا دوسری حدیث میں فرمایا:

مَنِ اعْتَکَفَ عَشْرًا فِیْ رَمَضَانَ کَانَ کَحَجَّتَیْنِ وَ عُمْرَتَیْنِ۔

جو بھی رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتا ہے، گویا دو حج اور دو عمرے انجام دیتا ہے۔[2]

ایک اور حدیث میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنِ اعْتَکَفَ عِنْدَ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ص) کَانَ ذٰلِکَ اَفْضَلَ لَہٗ مِنْ حَجَّۃٍ وَّ عُمْرَۃٍ بَعْدَ حَجَّۃِ الْاِسْلَامِ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے نزدیک اعتکاف ایک حج اور عمرہ سے افضل ہے سوائے حجۃ الاسلام (واجب حج) کے۔[3]

احکام و شرائط اعتکاف

۱۔ رضائے الٰہی یعنی قربۃ الی اللہ کی نیت۔

۲۔ تین دن روزہ رکھنا یعنی روزہ کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ مسجد سے باہر نہیں نکلنا ہوگا (سوائے کسی شدید ضرورت کی وجہ سے)۔

۴۔ اعتکاف کی حالت میں خوشبو لگانا منع ہے۔

---

[1] تفسیر مجمع البیان، ج ۱، ص ۳۸۵۔

[2] کتاب ''اعتکاف''، ص ۳۹، بحوالہ درمنثور، ج ۱، ص ۲۰۲۔ جامع صغیر، ج ۱، ص ۱۷۲۔

[3] بحار الانوار، ج ۹۵، ص ۱۵۱۔

اعتکاف کی برکات

ہر اعتکاف کرنے والا، مسجد میں پروردگار عالم کا مہمان ہوتا ہے اور اس مدت میں خداوند عالم سے ہی راز و نیاز کرتا ہے۔ انسانوں کی مسجد میں یہ حاضری انہیں مادی دنیا سے عبودیت رب اور معنویت کی طرف لے جاتی ہے۔

اگرچہ اعتکاف کے دوران کسی خاص عبادت کا ذکر نہیں ہوا ہے، لیکن ہر شخص، خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی جو بھی روش اختیار کرے اور اپنے آپ کو قرب الٰہی سے نزدیک کر دے، وہی اس کیلئے کافی ہے۔

مراجع عظام ادام اللہ ظلہم العالی کی طرف سے ایسے موقع پر قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر، دُعائے توسل اور دیگر دُعاؤں کا پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایسے اوقات میں اسرار کائنات اور اللہ نے جہان کی خلقت میں جو مصلحت رکھی ہے، اس میں غور کرنا کہ: ہم کہاں سے آئے ہیں؟ ہم اب کہاں ہیں اور پھر ہمیں کہاں جانا ہے؟ فکر و تدبر ہی دراصل معتکف کی عبادت ہے۔!!

اعتکاف یعنی رب سے ارتباط برقرار کرنے کا سلسلہ

یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ اس دور میں بے پناہ مصروفیتوں کی وجہ سے تقریباً ہر شخص کو فرصت ہی نہیں ہے۔ دور حاضر کی جدید ایجادات جیسے موبائیل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، آئی پیڈ، انٹرنیٹ، اسکائپ، وائبر، فیس بک، وٹس ایپ اور نہ جانے کتنی چیزوں نے خواہ مخواہ فضول میں لوگوں کو مشغول کر دیا ہے، انہیں اپنے اعمال اور کاموں کے حساب و کتاب کا موقع کہاں؟

جب اعتکاف کرنے والا اپنی مدت اعتکاف میں اپنے موبائیل سے تین دن یا جتنے دن اعتکاف کر رہا ہے، الگ رکھ دے اور بالکل اسے ہاتھ نہ لگائے تو کیا ہی بہترین اعتکاف کا سلسلہ ہے ''جو دنیا و مافیہا'' سب سے خود کو بے تعلق کر کے صرف خدا سے رابطہ برقرار کئے ہوئے ہے۔ ان اوقات کو بڑی سادگی سے نہ گزارے بلکہ اس میں اپنی کمزوریوں اور وہ نقاط جو قابل مذمت ہیں، انہیں ضرور لکھے اور اس کے اصلاح کی کوشش کرے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جہاں اسلام اور تشیع کی ترقی اور جوانان اہلبیتؑ کیلئے

دُعا کرنا نہ بھولیں کہ یہی وقت استجابت ہوگا۔

اعتکاف کا فلسفہ اور حکمت

حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْاِنْفِرَادُ رَاحَةُ الْمُتَعَبِّدِيْنَ۔

تنہائی اور خلوت، عبادت گزاروں کی راحت و آسائش کا سامان ہے۔[1]

ایک اور فرمان میں آپؑ کا ارشاد گرامی ہے:

فِي الْاِنْفِرَادِ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ كُنُوْزُ الْاَرْبَاحِ۔

تنہائی میں عبادت بزرگ ترین اور سعادت مند ترین خزانوں کا جمع کرنا ہے۔[2]

اعتکاف کے چند اہم فوائد

۱۔ تفکر کا موقع:

یہ بہترین موقع ہے کہ جب انسان تفکر سے کام لے۔ حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْفِكْرُ۔

غور و فکر، بہترین عبادت ہے۔[3]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْعِبَادَةُ كَثْرَةَ الصَّلٰوةِ وَ الصَّوْمِ. اِنَّمَا الْعِبَادَةُ التَّفَكُّرُ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

نماز اور روزہ کی کثرت عبادت نہیں، بلکہ اللہ کے معاملات میں غور و فکر ہی اصل عبادت ہے۔[4]

---

[1] غرر الحکم، ص ۶۶۱۔

[2] غرر الحکم، ص ۶۵۰۔

[3] غرر الحکم، ص ۲۹۰۷۔

[4] الکافی، ج ۲، ص ۵۵۔

۲۔مسجد میں حاضری:

مسجد ایک اہم ترین اسلامی مرکز اور مقدس مکان کے طور سے ہر علاقہ وجگہ میں موجود ہے۔اس لئے کہ مسجد کو بھی ''بیت اللہ'' یعنی اللہ کے گھر کا نام دیا گیا ہے۔ایسا گھر یا جگہ جہاں صرف خدا کو یاد کیا جائے یا اس کا ذکر ہو تو وہ بھی ''بیت اللہ'' ہی کہلاتا ہے۔چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ! اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُعْطِيكَ مَا دُمْتَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ بِكُلِّ نَفَسٍ تَنَفَّسْتَ فِيهِ دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ وَ تُصَلِّيْ عَلَيْكَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ يُكْتَبُ لَكَ بِكُلِّ نَفَسٍ تَنَفَّسْتَ فِيهِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ يُمْحٰى عَنْكَ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ۔

اے ابوذرؓ! جب تک تم مسجد میں بیٹھے رہو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر سانس کے بدلے جنت کا ایک درجہ عنایت فرمائے گا، اللہ کے ملائکہ تمہارے اوپر درود بھیجتے رہیں گے اور ہر سانس کے بدلے تمہارے (نامہ اعمال میں) دس نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور دس برائیاں محو کی جاتی رہیں گی۔[1]

۳۔ارادہ میں پختگی:

ہر انسان فطری طور پر یہ جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی مقدس اور پاک راہ میں کمال سعادت حاصل کرنے کیلئے قدم اٹھائے تو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔سب سے پہلے اس کے اپنے اندر کی مخالفتوں کی فوجیں اثر انداز ہوتی ہیں۔حتی کہ کسی دوسرے اچھے طریقہ سے بھی کمال حاصل کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔بیرونی رہنمائیوں اور مشوروں کے بے پناہ سلسلوں سے بھی فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔اس کے باوجود انسان اپنے نفس پر کنٹرول کرلے اور اس پر پوری طرح قابو پالے تو اپنا صحیح ہدف پانے میں مشکل نہیں ہوتی۔اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّكَ اِنْ مَلَّكْتَ نَفْسَكَ قِيَادَكَ اَفْسَدَتْ مَعَادَكَ وَ اَوْرَثَتْكَ بَلَآءً لَّا يَنْتَهِيْ وَ شَقَآءً لَّا يَنْقَضِيْ۔

---

[1] مکارم الاخلاق، ص ۴۶۸۔

اگر تم نے اپنی ہدایت کیلئے اپنے نفس کو اختیار دے دیا تو آخرت کو برباد کر دیا اور
اپنے نفس کو بے انتہا بلاؤں اور بدبختیوں کے سپرد کر دیا۔[1]

یعنی نفس کو کنٹرول اور اپنے ہاتھ میں رکھنے سے آخرت سنورتی ہے۔ اعتکاف میں روزہ رکھنا اور کم از کم تین دن مسجد میں ٹھہرنا مصلحت خدا ہے جس میں انسان کی نیکیوں کی ریاضت ومشقت اور دنیاوی لذتوں سے دوری ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کے ارادوں میں پختگی آتی ہے۔

منتظمین مساجد کو چاہیے کہ خواتین کیلئے بھی ایسے پردہ کا اہتمام کریں کہ وہ بھی اعتکاف جیسی اہم عبادت کر سکیں۔ اس لئے کہ عبادت مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ہے۔ اس سلسلے میں مراجع کے فتاویٰ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

خداوند عالم کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ ہم لوگوں کو صحیح طور سے معرفت واخلاص کے ساتھ عبادت رب کی توفیق عنایت ہو۔ آمین۔

[1] غرر الحکم، فرمان نمبر ۳۷۹۱۔

عدمِ تحریف قرآن

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم قطعی طور پر اس کی حفاظت کریں گے[1]۔

قرآن مجید اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام مقدس ہے یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ قرآن مجید تقریباً ۲۳ سال کے عرصے میں جبرئیل امینؑ کے ذریعے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ یہ کلام الٰہی فصاحت و بلاغت اور معنوی بلندی کے اس درجے پر ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود پوری کائنات کے انسانوں اور جنات کو چیلنج کر رہا ہے کہ اگر تم اس جیسا کلام بنا کر لا سکتے ہو تو لے آؤ، مگر تم ہرگز نہیں لا سکو گے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝۸۸﴾

کہہ دیجئے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں[2]۔

قرآن مجید جیسا کلام اور اس کی نظیر نہیں لائی جا سکتی۔ یہ قرآن کا کھلا چیلنج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن

---

[1] سورۂ حجر، آیت ۹۔

[2] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۸۔

کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ قرآن کسی یار و مددگار کے بغیر ہے اور کافر لوگ اس کے آفتاب وجود کو کیچڑ سے چھپا دیں گے یا اس کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں گے۔ یہ تو وہ چراغ ہے جسے حق تعالیٰ نے روشن کیا ہے اور یہ وہ آفتاب ہے جو کبھی غروب نہ ہوگا۔ چند افراد جو مکہ میں تھے ان کی بات نہیں، بلکہ دنیا بھر کے جابر، اہل اقتدار، سیاستدان، ظالم، منحرف، اہل فکر اور جنگ آزما جمع ہو جائیں اور اس کے نور کو بجھانا چاہیں تو وہ بھی ایسا نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خداوند عالم نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔

قرآن کی حفاظت سے مراد کن امور کی حفاظت ہے؟

اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ بعض نے کہا کہ تحریف و تغیر اور کمی و بیشی سے حفاظت مراد ہے۔

۲۔ بعض نے کہا کہ آخر دنیا تک فنا و نابودی سے حفاظت مقصود ہے۔

۳۔ بعض دیگر نے کہا کہ قرآن کے خلاف گمراہ کن منطق کے مقابلے میں حفاظت مراد ہے۔

مگر یہ تمام آراء اور تفاسیر قابل جمع ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ سب ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾ کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

تحریف کے معنی اور اس کی اقسام

''تحریف'':

کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر رکھنے کو ''تحریف'' کہتے ہیں۔

تحریف لفظی:

قرآن مجید کے کسی لفظ یا حرف کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا یا کسی لفظ کا اضافہ کرنا یا کسی لفظ کو کم کر دینا ''تحریف لفظی'' کہلائے گی۔ جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی تو اس سے مراد ہماری یہی تحریف ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾

یہود میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو الفاظ کو اپنی اصل جگہ سے پھیرتے ہیں

اور بدلتے ہیں[1]۔

تحریف معنوی:

یہ تحریف ایسی ہوتی ہے کہ لفظ تو اپنی جگہ برقرار ہیں، لفظی تحریف نہیں ہوئی، لیکن لفظوں اور جملوں اور آیتوں کے معنی وہ نہ لئے جائیں جو صاحب کلام کی مراد ہے، بلکہ اپنی مرضی سے کلام کے معنی ومفہوم بیان کئے جائیں اسے ''تحریف معنوی'' کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں تحریف معنوی واقع ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے معنی ومقصود کے خلاف تفسیر کرنے کی کوشش کرنا تحریف ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ اہل بدعت اور فاسد مذاہب کے پیروکار ہمیشہ قرآن کی تعبیر اپنی آراء اور خواہشات کے مطابق کر کے تحریف کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ اس قسم کی تحریف سے شریعت نے منع فرمایا ہے اور ایسی تحریف کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

جو کوئی قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے (خیالات) سے کرے گا، وہ اپنی جگہ جہنم

میں بنائے گا۔[2]

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ فَقَدِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔

جس شخص نے اپنی ذاتی رائے کے مطابق قرآن کی تفسیر کی، اس نے اللہ پر

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۴۶۔

[2] عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۰۴۔

بہتان لگایا۔[1]

واضح رہے کہ تحریف معنوی سے مراد قرآن مجید کے مفہوم کو دگرگوں کرنا اور اسے پس پشت ڈال دینا ہے۔اس مقالے میں ہماری بحث اس تحریف کے متعلق نہیں ہے۔

عدم تحریف قرآن کے دلائل

عدم تحریف قرآن پر بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں قرآن مجید کی آیات کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل شامل ہیں:

۱۔حافظان قرآن:

قرآن مجید صدر اسلام کے مسلمانوں کیلئے سب کچھ تھا۔ یہ ان کا آئین، زندگی کا دستور العمل، حکومت کا پروگرام، مقدس آسمانی کتاب اور رمز عبادت، غرض سب کچھ تھا۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اصولی طور پر اسی میں کمی بیشی کا امکان ہی نہیں۔قرآن ایک ایسی کتاب تھی کہ پہلے دور کے مسلمان ہمیشہ نمازوں میں، مسجدوں میں، گھروں میں، میدان جنگ میں دشمن کا سامنا کرتے ہوئے، اپنے مکتب کی حقانیت پر استدلال کرنے کلئے اسی سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن عورتوں کا حق مہر قرار دیا جاتا تھا۔اصولی طور پر تنہا وہ کتاب جو تمام محافل میں موضوع سخن اور زندگی میں قابل عمل تھی اور ہر بچے کی ابتدائی عمر سے جس سے آشنا کیا جاتا تھا وہ قرآن مجید تھی اور جو کوئی شخص جس سے درس حاصل کرنا چاہتا تھا وہ قرآن مجید تھا۔

جی ہاں قرآن مجید! تو کیا ایسی کیفیت میں کسی شخص کو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں کسی قسم کا تغیر وتبدل ہوگیا ہو۔خصوصاً جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید جمع ہو چکا تھا اور پھر آپؐ اس کے حفظ کو اہمیت دیتے تھے۔

اصولی طور پر صدر اسلام میں افراد کی شخصیت زیادہ تر اس بات سے پہچانی جاتی تھی کہ انہیں قرآن مجید کی آیات کس حد تک یاد ہیں۔قرآن کے حافظوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ تواریخ میں ہے کہ

[1] کمال الدین، ج۱،ص ۲۵۷۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک جنگ میں چارسوقرآن کے قاری مارے گئے تھے۔ بئر معونہ کے واقعہ میں قاریان قرآن کی ایک کثیر جماعت نے شربت شہادت نوش کیا۔ ان سے اور ان جیسے دیگر واقعات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حافظ وقاری اور معلمین قرآن اس قدر زیادہ تھے کہ صرف ایک میدان جنگ میں سینکڑوں قاریان قرآن نے شہادت پائی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معاشرے میں قرآنی ثقافت رائج تھی۔ اس لئے قرآن میں کسی قسم کی تحریف کرنا ممکن نہیں تھا۔

۲۔ کاتبان وحی:

ان تمام امور کے علاوہ کاتبان وحی کا معاملہ بھی غور طلب ہے۔ یہ وہ افراد تھے جو آنحضرتؐ کے حکم اور تاکید سے آپؐ پر نازل شدہ آیات کو لکھ لیتے تھے۔ ان کی تعداد چودہ سے تینتالیس تک بیان کی گئی ہے۔ ابوعبداللہ زنجانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:

> پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف کاتب جو وحی لکھا کرتے تھے، وہ تینتالیس افراد تھے جن میں زیادہ مشہور خلفائے اربعہ تھے، لیکن اس سلسلے میں پیغمبرؐ کے سب سے بڑھ کر ساتھی زید بن ثابت اور علی ابن ابیطالبؑ تھے[۱]۔

۳۔ تمام رہبران اسلام نے اسی قرآن کی دعوت دی ہے:

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اسلام کے عظیم پیشواؤں کے کلمات کا مطالعہ نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ابتدائے اسلام سے، باہم بیک زبان لوگوں کو اسی موجودہ قرآن کی تلاوت مطالعہ اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ نہج البلاغہ میں حضرت امام علی علیہ السلام کے کلمات اسی دعویٰ کے زندہ گواہ ہیں۔

ایک خطبے میں آپؑ کا ارشاد ہے:

> كِتَابُ اللهِ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ. نَاطِقٌ لَا يَعْيَا لِسَانُهُ وَ بَيْتٌ لَا تُهْدَمُ اَرْكَانُهُ وَ عِزٌّ لَا تُهْزَمُ اَعْوَانُهُ۔
>
> اور کتاب اللہ تمہارے درمیان ایسی ناطق ہے جس کی زبان کبھی گنگ نہیں ہوتی،

---

[۱] تاریخ القرآن، ص ۲۴۔

یہ ایسا گھر ہے کے ستون کبھی منہدم نہیں ہوتے، یہ ایسا صاحب عزووقار ہے جس کے انصار کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔[1]

ایک اور مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِیْ لَا یَغُشُّ وَ الْهَادِی الَّذِیْ لَا یُضِلُّ۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَمْ یَعِظْ اَحَدًا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ. فَاِنَّهٗ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَ سَبَبُهُ الْاَمِیْنُ۔

جان لو کہ یہ قرآن ایسا ناصح ہے جو اپنی نصیحت میں کبھی خیانت نہیں کرتا اور ایسا ہادی ہے جو کبھی گمراہ نہیں کرتا۔۔۔ خدا نے کسی کو اس قرآن جیسی وعظ و نصیحت نہیں کی، کیونکہ یہ خدا کی محکم رسی اور اس کا قابل اطمینان وسیلہ ہے۔[2]

نہج البلاغہ کے ایک اور خطبے میں حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْهِ الْكِتَابَ نُوْرًا لَّا تُطْفَاُ مَصَابِیْحُهٗ وَ سِرَاجًا لَّا یَخْبُوْ تَوَقُّدُهٗ وَ بَحْرًا لَّا یُدْرَكُ قَعْرُهٗ وَ مِنْهَاجًا لَّا یُضِلُّ نَهْجُهٗ وَ شُعَاعًا لَّا یُظْلِمُ ضَوْءُهٗ وَ فُرْقَانًا لَّا یُخْمَدُ بُرْهَانُهٗ۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک کتاب نازل کی، وہ کتاب جو خاموش نہ ہونے والا نور اور جو ایسا پر فروغ چراغ ہے کہ جس میں تاریکی آ ہی نہیں سکتی اور یہ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والے گمراہ نہیں ہو سکتے اور ایسی شعاع ہے جس کی لو کبھی تاریک نہیں ہو سکتی اور یہ حق کی باطل سے جدائی کا ایسا سبب ہے جس کی برہان خاموش نہیں ہوتی۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۳۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۶۔

[3] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۸۔

ایسی تعبیرات حضرت علی علیہ السلام اور دیگر معصوم پیشوایان دین کے کلمات وارشادات میں بہت زیادہ ہیں۔فرض کریں کہ اگر دست تحریف اس آسمانی کتاب کی طرف بڑھا ہوتا تو کیا پھر بھی ممکن تھا کہ اس کی طرف دعوت دی جاتی اور اسے راہ کشا،حق کی باطل سے جدائی کا ذریعہ، نہ بجھنے والا نور، خاموش نہ ہونے والا چراغ، خدا کی محکم رسی اور اس کا امین وقابل اطمینان وسیلہ قرار دے کر تعارف کروایا جاتا۔

۴۔آخری دین اور ختم نبوت کا تقاضا:

اصولی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت قبول کر لینے کے بعد اور یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ دین اسلام آخری خدائی دین ہے اور قرآن کا پیغام دنیا کے خاتمے تک برقرار رہے گا، کس طرح یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم، اسلام اور پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس واحد سند کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اسلام کے ہزاروں سال تک باقی رہنے، جاوداں ہونے اور آخری دنیا تک رہنے کے ساتھ کیا تحریف قرآن کا کوئی مفہوم ہوسکتا ہے؟

۵۔روایات ثقلین:

روایات ثقلین کہ جو طرق معتبرہ متعدد سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں، قرآن کی حقانیت اور ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ رہنے پر ایک اور دلیل ہے، کیونکہ ان روایات کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ: كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰى یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

میں تمہارے درمیان میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی۔پہلی اللہ کی کتاب جو ایسی رسی ہے جس کا ایک سرا آسمان کے ساتھ ہے اور دوسرا زمین کے ساتھ، اور دوسری میری عترت اور میرے اہلبیتؑ۔ یاد رکھو! یہ ہرگز ایک

دوسرے سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے نہ آملیں۔[1]

۶۔قرآن مجید کسوٹی ہے:

ان سب پہلوؤں سے قطع نظر قرآن کا تعارف سچی اور جھوٹی روایات واحادیث کو پرکھنے کے معیار کے طور پر کروایا گیا ہے۔ بہت سی روایات کہ جو منابع اسلام میں آئی ہیں ان میں ہے کہ جس حدیث کے سچے یا جھوٹے ہونے کے بارے میں شک کرو اسے قرآن کے سامنے پیش کرو، جو حدیث کے قرآن کے موافق ہے وہ حق اور جو حدیث اس کے مخالف ہے، وہ باطل ہے۔

آئمہ اطہار علیہم السلام سے منقول ہے کہ: جو حدیث قرآن مجید کے مخالف ہو، اسے دیوار پر دے مارو۔ فرض کریں کہ قرآن میں کمی کے لحاظ سے ہی تحریف ہوئی ہوتی تب بھی ہرگز ممکن نہ تھا کہ اس کا تعارف حق وباطل کو پرکھنے کی کسوٹی کے طور پر کروایا جاتا۔

۷۔حکم عقل:

عقل واضح حکم کرتی ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا تغیر وتبدیلی نہیں ہوئی، کیونکہ قران مجید ایسی کتاب ہے جو اپنے نزول کے ابتداء ہی سے امت اسلامی کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہے اور امت اس کے تقدس اور تعظیم اس کے حفظ کرنے میں کوشاں رہی ہے، کیونکہ قرآن مجید مسلمانوں کیلئے اولین منبع وماخذ تمام دینی وسیاسی اجتماعی امور میں سمجھا جاتا تھا اور قرآن اساس دین اور بنای شریعت اسلام ہے، اس لئے امکان نہیں ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہو۔

۸۔قاعدہ لطف:

قرآن مجید میں تحریف نہ ہونا لطف الٰہی کا متقاضی ہے۔ لطف خداوندی یہ ہے کہ بندہ کو اطاعت خداوندی کے نزدیک کرے اور معصیت سے دور رکھے۔ اس معنی میں حکم عقل یہ ہے کہ خداوند پر واجب ہے کہ وہ ایسا کام کرے کہ بندے اس کی اطاعت کریں اور گناہوں سے دوری اختیار کریں۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن نبوت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل اور اعتباری سند ہے۔ دین کی اساس جو کہ

---

[1] یہ حدیث متواتر ہے۔ بطور نمونہ ملاحظہ کریں: مسند احمد بن حنبل، ج ۱۷، ص ۱۷۰۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۴۶، حدیث ۲۴۰۸۔

قرآن مجید ہے اس کو اسی حالت میں باقی رہنا چاہیے اور کبھی بھی اس میں بدعت گزاروں کی طرف سے کسی قسم کی لفظی تحریف نہ ہو سکے۔اس لئے قاعدہ لطف کی رو سے قرآن مجید تحریف سے محفوظ ہے اور یہ قرآن کا اعجاز ہے۔

۹۔آیات قرآن:

قرآن مجید کی اپنی آیات بھی تحریف کو صاف طور پر رد کر رہی ہیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ ٱلْبَٰطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾﴾

یہ معزز کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔[۱]

یہ قرآن انسانیت کیلئے ایک دستور حیات اور اسلام کی حقانیت کیلئے ایک معجزہ ہے۔ممکن نہیں اس معجزے کو کوئی باطل قوت بے اثر بنادے اور اس کی معجزاتی حیثیت کو ختم کردے۔

اس آیہ مجیدہ میں لفظ ''عزیز'' موجود ہے جس کے معنی ہیں شکست ناپذیر اور غیر قابل نفوذ، اور تحریف ایک قسم کی نفوذ پذیری ہے جو کہ ''عزیز'' ہونے کے منافی ہے کہ اس میں تحریف ہو جائے۔ نیز جملہ: ﴿لَّا يَأْتِيهِ ٱلْبَٰطِلُ﴾ کا مطلب ہے کہ قرآن ہر قسم کی تبدیلی اور تحریف کی خود سے نفی کر رہا ہے۔اسی طرح جملہ: ﴿مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ﴾ نے بطور مطلق ہر زمانے میں اور ہر لحاظ سے تحریف کی نفی کر دی ہے۔اور آیت کا آخری جملے میں فرمایا گیا: ﴿تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾﴾: اس پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکمت والا اور لائق ستائش ہے۔ یہ جملہ بخوبی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ قرآن مجید قابل تحریف و تغیر نہیں ہے، کیونکہ خداوند کلیم کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ خداوند عالم جو تمام کمالات کا مالک ہے اور اس کے تمام کام حکیمانہ اور ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہوتے ہیں۔

---

[۱] سورۂ فصلت، آیت ۴۱۔۴۲۔ ث

بنابریں اگر قرآن تحریف ہوجائے تو خدا کے مقصد کی نفی اور حکمت خداوندی سے ناسازگاری لازم آئے گی، جو کہ محال ہے۔ پس قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾

(اے نبیؐ!) آپؐ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کیلئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔[1]

اس آیت سے بھی عدم تحریف قرآن واضح ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم قطعی طور پر اس کی حفاظت کریں گے۔[2]

یہ آیہ مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ قرآن کا محافظ ہے۔

۱۰۔ اعجاز قرآن:

قرآن مجید معجزہ ہے اور کوئی بھی اس کی ایک آیت جیسی آیت نہیں لا سکا جیسا کہ خود قران کریم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اگر قرآن میں تحریف ہوجائے تو آیت یا آیتوں کے معانی بدل جائیں اور یہ بات اعجاز قرآنی کے منافی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید جو فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہے تحریف کی صورت میں معجزہ نہیں رہے گا۔ اس لئے تحریف قرآن ممکن نہیں ہے۔

امامیہ علماء کی قرآن مجید کی عدم تحریف پر تصریحات

یہ مطلب تمام لوگوں کیلئے واضح ہے کہ کسی مذہب کی طرف کسی عقیدے یا کسی بات کو منسوب کرنے

---

[1] سورۂ قیامت، آیت ۱۶۔۱۷۔

[2] سورۂ حجر، آیت ۹۔

کیلئے اس مذہب کے اکثر جید علماء کی آراء اور ان کے فتاویٰ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ شیعہ علماء وفقہاء یہی نظریہ اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف نہیں ہوئی۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ ان میں سے کچھ علماء کے نام اور ان کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں:

۱۔ شیخ صدوق، الاعتقادات، ص ۹۲۔

۲۔ شیخ مفید، المسائل السرویہ، ص ۸۳۔ ۸۴۔ اوائل المقالات، ص ۸۰۔

۳۔ سیّد شریف رضی، حقائق التاویل فی متشابہ التنزیل، ص ۱۶۸۔

۴۔ سیّد مرتضیٰ، الذخیرہ فی علم الکلام، ص ۳۶۱۔

۵۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۶، ص ۳۲۰۔

۶۔ طبرسی، مجمع البیان، ج ۶، ص ۵۰۹۔

۷۔ ابوالفتاح رازی، روض الجنان وروح الجنان، ج ۱، ص ۳۱۔

۸۔ قطب الدین رواندی، الخرائج والجرائح، ص ۱۰۴۔

۹۔ ابن ادریس، المنتخب من تفسیر القرآن، ج ۲، ص ۲۴۶۔

۱۰۔ ابن شہر آشوب، متشابہ القرآن، ج ۲، ص ۷۷۔

۱۱۔ رضی الدین علی بن طاووس، سعد السعود، ص ۱۴۴۔

۱۲۔ ابوالمکارم، البلائل والقلاقل، ج ۱، ص ۲۴۴۔

۱۳۔ سدید الدین حصنی، المنقذ من التقلید، ج ۱، ص ۲۷۷۔

۱۴۔ محمد بن حسن شیبانی، نہج البیان، ج ۳، ص ۱۸۴۔

۱۵۔ حسن بن یوسف مطہر، اجوبۃ المسائل المہنائیۃ، ص ۱۲۱۔

۱۶۔ جمال الدین مقداد سیوری، کنز العرفان، ص ۲۔ ۵۔

۱۷۔ زین الدین بیاض عاملی، الصراط المستقیم، ج ۱، ص ۲۶۔

۱۸۔ کمال الدین حسین کاشفی، مواہب علیہ، ج ۲، ص ۳۳۶۔

۱۹۔علی بن عبدالعالی، رسالۃ فی نفی النقیصۃ فی القرآن، ص ۲۲۔
۲۰۔فتح اللہ کاشانی، منہج الصادقین، ج ۵، ص ۱۴۔
۲۱۔مقدس اردبیلی، مجمع الفائدۃ والبرھان، ج ۲، ص ۲۱۸۔
۲۲۔محمد بن علی نقی شیبانی، مختصر نہج البیان، ص ۲۶۲۔
۲۳۔ابوالمحاسن حسین بن حسن جرجانی، جلاالاذھان، ج ۵، ص ۱۲۸۔
۲۴۔ابوالفیض ناکوری، سواطع الھام، ج ۳، ص ۲۱۴۔
۲۵۔قاضی نوراللہ شوستری، مصائب النواصب بہ نقل از: آلاء الرحمٰن، ج ۲، ص ۲۵۔
۲۶۔شیخ بہائی، العروۃ الوثقیٰ، ص ۱۶۔
۲۷۔فاضل تونی، الوافیۃ فی الاصول، ص ۱۴۸۔
۲۸۔فیض کاشانی، تفسیر صافی، ج ۳، ص ۱۰۲۔ الحجۃ البیضاء، ج ۳، ص ۲۶۳۔
۲۹۔محمد بن حسن شریف لاہجی، تفسیر شریف لاہجی، ج ۲، ص ۶۵۸۔
۳۰۔شیخ حر عاملی، رسالۃ تواتر القرآن وعدم نقصہ وتحریفہ۔
۳۱۔محمد بن مرتضیٰ کاشانی، تفسیر المعین، ج ۲، ص ۶۵۰۔
۳۲۔محمد رضا قمی، کنز الدقائق، ج ۷، ص ۱۰۴۔
۳۳۔شیخ جعفر العظاء، کشف العظاء، ص ۲۲۹۔
۳۴۔سیّد محسن کاظمی، شرح الوافیہ بہ نقل از: التحقیق فی نفی التحریف، ص ۲۶۔
۳۵۔سیّد محسن طباطبائی، مفاتیح الاصول بہ نقل از کتاب قبل۔
۳۶۔شیخ ابراہیم کلباسی، اشارات لاصول۔
۳۷۔سیّد حسین کوہ کمری، بشری الوصول بہ نقل از کتاب قبل، ص ۲۷۔
۳۸۔موسیٰ تبریزی، اوثق الوسائل، ص ۹۱۔
۳۹۔محمد بن ابی القاسم المشہور معرب تہرانی، کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب۔

۴۰۔سیّد محمد شہرستانی، حفظ الکتاب عن شبہۃ القول بالتحریف۔

۴۱۔محمد حسن آشتیانی، بحر الفوائد، ص ۹۹۔

۴۲۔محمد جواد حسینی عاملی، مفتاح الکرامۃ، ج ۲، ص ۳۹۰۔

۴۳۔شیخ محمد جواد بلاغی نجفی، آلاء الرحمٰن، ص ۲۶۔

۴۴۔شیخ محمد حسین کاشف الغطا، اصل الشیعہ واصولہا، ص ۱۳۳۔

۴۵۔سیّد محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۴۱۔

۴۶۔شیخ محمد نہاوندی، نفحات الرحمٰن، ج ۱، ص ۴۱۔

۴۷۔میر جعفر علوی حسینی، کشف الحقائق، ج ۱، ص ۴۰۔

۴۸۔سیّد عبد الحسین شرف الدین، العصول المہمۃ، ص ۱۶۲۔اجوبہ مسائل جار اللہ، ص ۲۸۔

۴۹۔علامہ امینی، الغدیر، ج ۳، ص ۱۰۱۔

۵۰۔علامہ سیّد محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۱۰۴۔ ۱۳۳۔

۵۱۔آیت اللہ امام خمینی، تہذیب الاصول، ج ۲، ص ۱۶۵۔وانوار الہدایہ، ص ۲۶۳۔

۵۲۔آیت اللہ خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، ص ۱۹۸۔

عدم تحریف پر کچھ اور دلائل

علامہ شیخ محسن علی نجفی اپنے ترجمہ اور حاشیہ میں لکھتے ہیں:

تحریف قرآن ناممکن ہے۔اس لئے کہ اس کی معجزاتی ترکیب اپنے اندر کسی قسم کی تحریف کو قبول نہیں کرتی۔اس سلسلے میں ہم کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔اصول وکلیات:

گزشتہ امتوں پر نازل شدہ کتاب میں تحریف واقع ہونے کے اہم عوامل میں سے ایک یہ تھا کہ آسمانی کتب میں جو دستور حیات دیا گیا تھا وہ حکمرانوں اور مفاد پرستوں کے مفادات کے خلاف ہوتا تھا، لہٰذا کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی، کچھ نے ان حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اور کچھ نے تحریف

کرڈالی۔

مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابدی معجزے ''قرآن'' کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس مقصد کیلئے اللہ نے قرآن میں صرف اصول وکلیات ہی بیان کئے اور تفسیر وتشریح کا کام سنت پر چھوڑ دیا۔ اس لئے قرآن میں معاصر لوگوں میں سے کسی کا نام (ایک دو کے علاوہ) مذکور نہیں۔ اس میں نہ ہی برگزیدہ ہستیوں کے نام مذکور ہیں اور نہ قابل مذمت لوگوں کے نام درج ہیں۔ صرف ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت نام لے کر کی گئی ہے، کیونکہ ابولہب کی کھلی عداوت اور حضورؐ کا رشتہ دار ہونا ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اس کا نام صریحاً لیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کر دی تھی، اس لئے آیۂ تطہیر میں اہلبیتؑ کے نام نہیں لئے گئے، جبکہ سنت رسولؐ نے ایک ایک فرد کا تعارف کرایا۔ آیہ مباہلہ میں بھی ''اَبنَآءَنَا'' اور ''نِسَآءَنَا'' سے جو لوگ مراد ہیں ان کی وضاحت سنت رسولؐ نے کی۔ نیز سورۂ کوثر میں یہ نہیں فرمایا کہ امیہ بن خلف ابتر ہے، بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گستاخان رسولؐ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

اگر قرآن میں یہ بتا دیا جاتا کہ ''شجرۂ ملعونہ'' سے کون لوگ مراد ہیں تو اس کے مصداق قرآن کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے۔ اسی طرح سورۂ حجرات کی آیہ نبا میں فاسق ولید بن عقبہ کا نام بیان نہیں ہوا۔ اسی طرح حجرات کے باہر سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیوقوفوں کا پکارنا، ایسے تمام موارد میں قرآن کی مراد و مقصود کا بیان کرنا سنت رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے۔

تدریجی نزول:

قرآن کو ضیاع اور تحریف سے بچانے کیلئے دوسرا انتظام اس کا تدریجی نزول تھا۔ ایک متوسط حجم کی کتاب ۲۳ سالوں کی مدت میں تدریجاً نازل ہوتی رہی اور کتاب بھی ایسی جس کا انداز کلام دوسرے کلاموں سے مختلف ہے اور جس میں روح اور سماعت دونوں کی تسکین کا سامان ہے۔ ساتھ ساتھ چونکہ ابتدائے بعثت میں اس کو محفوظ رکھنے کیلئے فضا نامساعد تھی اس لئے آیات مختصر، با قافیہ اور مسجع ہیں، مثلاً:

﴿وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣﴾[1]

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤﴾[2]

یہ مختصر اور مقفیٰ آیات حفظ کرنے کیلئے نہایت آسان ہیں۔ اس طرح قرآن کتابت کے ساتھ سینوں میں بھی محفوظ رہا۔ بعد میں مدنی زندگی میں لکھنے پڑھنے کے وسائل فراہم ہوئے تو آیات اور قرآن سورتیں طولانی ہونا شروع ہوگئیں۔ تدریجی نزول کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہوا کہ قرآن نہایت آسانی کے ساتھ امت کے حوالے ہوگیا۔ یعنی جس طرح نزول قرآن تدریجی تھا اس کی تعلیم اور امت کی طرف منتقلی بھی تدریجی تھی۔ جس روز نزول کا کام مکمل ہوا اسی روز قرآن کی، امت کی طرف منتقلی بھی مکمل ہوئی۔ چنانچہ جس مرحلے میں امت کی طرف قرآن کی منتقلی مکمل ہوئی اس کو ''عرصہ اخیر'' (آخری دہرائی) کہتے ہیں۔

تحریف والی روایات کی توجیہہ

کچھ احادیث کی کتابوں میں بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ مگر یہ روایات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق علماء کرام نے فرمایا کہ:

اولاً: یہ روایات ایسے افراد اور بعض ایسی کتابوں سے نقل ہوئی ہیں کہ جو مورد اعتبار اور ثقہ نہیں ہیں۔ مثلاً کتاب قرائت احمد بن محمد سیاری (متوفی ۲۸۶ھ)، علمائے رجال نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسے بدعقیدہ، فاسد المذاہب شمار کیا ہے۔ اسی طرح کتاب علی بن احمد کوفی (متوفی ۳۵۳ھ) کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص غالی ہے۔

ثانیاً: بعض روایات جو تحریف کی بات کرتی ہے وہ دراصل تفسیری پہلو بیان کر رہی ہوتی ہیں۔ اس معنی میں کہ روایات میں مفاد کلی یہ ہے کہ آیت کا مصداق اتم و اکمل تطبیق ہوا ہے یا آیت کے مصادیق سے ایک مصداق کو بیان کیا گیا ہے، لیکن بعض نے گمان کرلیا ہے کہ یہ مصداق بھی آیت کا حصہ تھا اور

---

[1] سورۂ ضحیٰ، آیت ۱۔ ۳۔

[2] سورۂ رحمٰن، آیت ۱۔ ۴۔

اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

امام خمینیؒ نے ایسی روایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

الف: ضعیف روایات جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

ب: جعلی وخود ساختہ روایات کہ ان کے جعلی ہونے پر شواہد موجود ہیں۔

ج: صحیح روایات کہ جب ان کا غور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس تحریف سے ''تحریف لفظی'' نہیں ہے بلکہ ''تحریف معنوی'' مراد ہے۔

کتاب ''فصل الخطاب'' اور کتاب ''الفرقان''

مکتب امامیہ پر عائد الزام کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کے ایک عالم نے تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس کا نام ''فصل الخطاب'' رکھا ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے:

اولاً: ایسا واقعہ صرف امامیہ کے ہاں پیش نہیں آیا، بلکہ مصر کے ایک جید عالم دین علامہ ابن الخطیب المصری نے ۱۹۴۷ء میں اس قسم کی ایک کتاب تالیف کی جس میں ضعیف اور نادر روایات جمع کر کے تحریف وتبدیلی اور عدم حجت الفاظ پر بے شمار دلائل پیش کئے۔

اس کتاب کے بارے میں جامع الازہر کے کلیہ الشریعہ کے استاد علامہ شیخ محمد مدنی کہتے ہیں:

> یہ کہنا کہ امامیہ قرآن میں کمی واقع ہونے کے قائل ہیں، معاذ اللہ! درست نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں بھی کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جیسے ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ دونوں فرقوں کے اہل تحقیق اس قسم کی روایات کو مسترد کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ امامیہ یا زیدیہ میں کوئی تحریف کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ اہلسنت کے ہاں بھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے۔

ایسی روایات کا مشاہدہ کرنے کیلئے جن کو ہم مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں، علامہ سیوطی کی کتاب الاتقان کا مطالعہ کریں اور ایک مصری نے تو ۱۹۴۸ء میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس کا نام ''الفرقان'' رکھا۔ اس کو اس مؤلف نے غیر معتبر، غیروں کی داخل کردہ اور مردود السند روایات سے پر کیا ہے اور ان روایات

کو اہل سنت کے ہی مصادر و ماخذ سے نقل کیا ہے۔ جامع الازہر نے اس کتاب کی ضبطی کا مطالبہ کیا اور اس کتاب کے فاسد اور باطل ہونے پر دلائل قائم کئے۔ چنانچہ حکومت نے اسے منظور کر لیا اور کتاب ضبط ہوگئی۔ کیا اس کتاب کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل سنت قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور قرآن میں نقص کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ صرف ایک روایت کی بنا پر؟ یا فلاں شخص کی تالیف کردہ کتاب کی بنا پر؟ شیعہ امامیہ کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔

ثانیاً: فصل الخطاب میں درج ساری روایات امامیہ کی طرف سے نہیں، بلکہ اس میں غیر امامیہ مصادر سے بھی روایات کثرت سے درج ہیں جنہیں علامہ مرتضیٰ عسکری نے ایک مستقل کتاب میں جدا کر کے واضح کیا ہے۔[1]

ثالثاً: یہ کتاب ان روایات پر مشتمل ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے بے بنیاد اور مردود ہیں۔ علمائے امامیہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے مستند سمجھے۔ شیعہ علماء نے اس کتاب کو ضالہ یعنی گمراہ کن میں شمار کیا ہے اور اس کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے علامہ سیّد محمد حسین شہرستانی نے ''حفظ الکتاب الشریف عن شبھۃ القول بالتحریف'' اور علامہ محقق شیخ محمود تہرانی نے ''کشف الارتیاب فی رد فصل الخطاب'' تحریر کی ہے۔

قارئین محترم! تمام فرق اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید وحی سماوی اور اللہ کی آخری کتاب ہے جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ ہے۔ یہ لاریب کتاب ہے۔ رسول پاک ﷺ نے خود اس کی سورتوں کے نام رکھے، خود نازل شدہ آیات کو ان کی سورتوں میں رکھوایا اور رسول پاک ﷺ کے زمانے میں قرآن جمع ہو گیا تھا۔

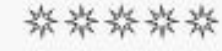

✲✲✲✲✲

---

[1] القرآن الکریم وروایات المدرستین، علامہ مرتضیٰ عسکری، ج ۳۔

خصائص علوم اہل بیتؑ

قسط:18

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

۱۔علوم الٰہیہ کے خزانہ دار:

[1] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ ۔ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وتَعَالٰى فِيْ صِفَةِ اَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ۔: هُمْ خُزَّانِيْ عَلٰى عِلْمِيْ مِنْ بَعْدِكَ۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: پروردگار نے اہلبیتؑ کے بارے میں فرمایا ہے: یہ سب تمہارے بعد میرے علوم کے خزانہ دار ہیں۔[1]

[2] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَاللهِ! اِنَّا لَخُزَّانُ اللهِ فِيْ سَمَآئِهٖ وَ اَرْضِهٖ. لَا عَلٰى ذَهَبٍ وَّ لَا عَلٰى فِضَّةٍ اِلَّا عَلٰى عِلْمِهٖ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم زمین و آسمان میں اللہ کے علم کے خزانہ دار ہیں، نہ کہ سونے اور چاندی کے۔[2]

[3] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ خُزَّانُ عِلْمِ اللهِ. وَ نَحْنُ تَرَاجِمَةُ وَحْيِ اللهِ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہم علم خدا کے خزانہ دار اور وحی الٰہی کے ترجمان ہیں۔[3]

[4] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى عِلْمًا خَاصًّا. وَ عِلْمًا عَامًّا. فَاَمَّا الْعِلْمُ الْخَاصُّ فَالْعِلْمُ

---

[1] الکافی، ج۱،ص ۱۹۳، حدیث ۴۔ بصائر الدرجات، ص ۱۰۵، حدیث ۱۲۔

[2] الکافی، ج۱،ص ۱۹۲، حدیث ۲۔

[3] الکافی، ج۱،ص ۱۹۲، حدیث ۳۔

الَّذِیْ لَمْ یُطْلِعْ عَلَیْهِ مَلٰٓئِکَتَهُ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ اَنْبِیَآئَهُ الْمُرْسَلِیْنَ. وَ اَمَّا عِلْمُهُ الْعَامُّ فَاِنَّهُ عِلْمُهُ الَّذِیْ اطْلَعَ عَلَیْهِ مَلٰٓئِکَتَهُ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ اَنْبِیَآئَهُ الْمُرْسَلِیْنَ. وَ قَدْ وَقَعَ اِلَیْنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: پروردگار کیلئے ایک علم خاص ہے اور ایک علم عام، علم خاص وہ ہے جس کی اطلاع ملائکہ مقربینؑ اور انبیاء مرسلینؑ کو بھی نہیں ہے۔ اور علم عام وہ ہے جسے اس نے ملائکہ اور مرسلین کو عنایت فرما دیا ہے اور ہم تک یہ علم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ پہنچا ہے۔[1]

[5] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَیْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ وَرِثْنَا النَّبِیِّیْنَ. وَ عِنْدَنَا عَصَا مُوْسٰی. وَ اِنَّا لَخُزَّانُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ. لَا بِخُزَّانِ ذَهَبٍ وَّ لَا فِضَّةٍ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہم انبیاءؑ کے وارث ہیں اور ہمارے پاس حضرت موسیٰ کا عصا ہے، ہم زمین میں پروردگار کے خزانہ دار ہیں، لیکن سونے چاندی کے نہیں۔[2]

[6] عَنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ شَجَرَةُ الْعِلْمِ. وَ نَحْنُ اَهْلُ بَیْتِ النَّبِیِّ. وَ فِیْ دَارِنَا مَهْبَطُ جَبْرَآئِیْلَ. وَ نَحْنُ خُزَّانُ عِلْمِ اللّٰهِ. وَ نَحْنُ مَعَادِنُ وَحْیِ اللّٰهِ. مَنْ تَبِعَنَا نَجَا. وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنَّا هَلَكَ. حَقًّا عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم علم کا درخت ہیں اور نبیؐ کے اہلبیتؑ، ہمارے گھر میں جبریلؑ کے نزول کی جگہ ہے اور ہم علم الٰہی کے خزانہ دار ہیں، ہم وحی خدا کی کان ہیں اور جو ہماری اتباع کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو ہم سے الگ ہو جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہی پروردگار کا عہد ہے۔[3]

۲۔ ظرف علم الٰہی:

[7] اَلْاِمَامُ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ اَبْوَابُ اللّٰهِ. وَ نَحْنُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ. وَ نَحْنُ عَیْبَةُ عِلْمِهٖ. وَ نَحْنُ تَرَاجِمَةُ وَحْیِهٖ. وَ نَحْنُ اَرْکَانُ تَوْحِیْدِهٖ. وَ نَحْنُ مَوْضِعُ سِرِّهٖ۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہم خدا کے ابواب ہیں اور ہم ہی صراط مستقیم

---

[1] توحید صدوقؒ، ص ۱۳۸، حدیث ۱۴۔ بصائر الدرجات، ص ۱۱۱، حدیث ۱۲۔

[2] تفسیر فرات کوفی، ص ۱۰۷، ص ۱۰۱۔

[3] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۲۵۲، حدیث ۱۵۔ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۵۴۔ روضۃ الواعظین، ص ۲۹۹۔

ہیں، ہم ہی اس کے علم کے ظرف ہیں اور ہمیں اس کی وحی کے ترجمان ہیں، ہم ہی توحید کے ارکان ہیں اور ہمیں اس کے اسرار کے مرکز ہیں۔[1]

[8] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ وُلَاةُ اَمْرِ اللهِ، وَ خَزَنَةُ عِلْمِ اللهِ، وَ عَيْبَةُ وَحْيِ اللهِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ہم امر الٰہی کے والی، علم الٰہی کے خزانہ دار اور وحی خدا کے ظروف ہیں۔[2]

[9] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى انْتَجَبَنَا لِنَفْسِهِ، فَجَعَلَنَا صَفْوَتَهُ مِنْ خَلْقِهِ، وَ اُمَنَآئَهُ عَلَى وَحْيِهِ، وَ خُزَّانَهُ فِيْ اَرْضِهِ، وَ مَوْضِعَ سِرِّهِ، وَ عَيْبَةَ عِلْمِهِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: پروردگار نے ہمیں اپنے لئے منتخب کیا ہے اور تمام مخلوقات میں منتخب قرار دیا ہے، ہمیں وحی کا امین اور زمین میں اپنا خزانہ بنایا ہے، ہم ہی اس کے اسرار کا گھر اور اس کے علم کے ظرف ہیں۔[3]

[10] وَهَبُ بْنُ مُنَبِّهٍ ۔ فِيْ ذِكْرِ مَآ اُوْحِيَ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔: تَمَسَّكْ بِذِكْرِهِمْ [مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ الْاَوْصِيَآءِ مِنْ بَعْدِهٖ] فَاِنَّهُمْ خَزَنَةُ عِلْمِيْ، وَ عَيْبَةُ حِكْمَتِيْ، وَ مَعْدِنُ نُوْرِيْ۔

وہب بن منبہ راوی ہے کہ پروردگار عالم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو وحی نازل کرتے ہوئے فرمایا: (اے موسیٰ!) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اوصیاء کے ذکر سے متمسک رہو، کیونکہ یہ سب میرے علم کے خزانہ دار، میرے حکمت کے ظروف اور میرے نور کی کان ہیں۔[4]

[11] فَاطِمَةُ الصُّغْرٰى عَلَيْهَا السَّلَامُ ۔ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ بَعْدَ وَقْعَةِ كَرْبَلَآءَ وَ مَا جَرٰى عَلٰٓى اَهْلِ الْبَيْتِ ۔: اَمَّا بَعْدُ، يَآ اَهْلَ الْكُوْفَةِ، يَآ اَهْلَ الْمَكْرِ وَ الْغَدْرِ وَ الْخُيَلَآءِ، اِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ ابْتَلَانَا اللهُ بِكُمْ، وَ ابْتَلَاكُمْ بِنَا، فَجَعَلَ بَلَآءَنَا حَسَنًا، وَ جَعَلَ عِلْمَهُ عِنْدَنَا وَ فَهْمَهُ لَدَيْنَا، فَنَحْنُ

---

[1] معانی الاخبار، ص ۳۵، حدیث ۵۔ ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۳۵۹، حدیث ۱۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۱۹۲، حدیث ۱۔ بصائر الدرجات، ص ۶۱، حدیث ۳، ص ۱۰۵، حدیث ۸۔

[3] بصائر الدرجات، ص ۶۲، حدیث ۷۔

[4] بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۴۹، حدیث ۲۴۔

عَيْبَةُ عِلْمِهٖ، وَ وِعَآءُ فَهْمِهٖ وَ حِكْمَتِهٖ، وَ حُجَّتُهٗ فِي الْاَرْضِ فِيْ بِلَادِهٖ لِعِبَادِهٖ. اَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِكَرَامَتِهٖ، وَ فَضَّلَنَا بِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقِهٖ تَفْضِيْلًا۔

جناب فاطمہ بنت امام حسینؑ نے واقعہ کربلا کے بعد اہل کوفہ سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: اے اہل کوفہ! اے مکارو، غدارو اور فریب کارو! ہم وہ اہلبیتؑ ہیں کہ پروردگار تمہارے ذریعے ہمارا اور ہمارے ذریعے تمہارا امتحان لیا ہے اور بہترین امتحان لیا ہے، اس نے اپنے علم وفہم کا مرکز ہمیں بنایا ہے اور ہم اس کے علم کا ظرف، فہم وحکمت کا محل اور زمین میں بندوں پر اس کی حجت میں۔ اس نے ہمیں اپنی کرامت سے مکرم بنایا ہے اور اپنے نبیؐ کے ذریعہ تمام مخلوقات سے افضل قرار دیا ہے۔[1]

۳۔ وارثانِ علوم انبیاءؑ:

[12] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: اِنَّ اَوَّلَ وَصِيٍّ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ هِبَةُ اللّٰهِ بْنُ اٰدَمَ، وَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ مَضٰى اِلَّا وَ لَهٗ وَصِيٌّ، وَ كَانَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ مِائَةَ اَلْفِ نَبِيٍّ وَّ عِشْرِيْنَ اَلْفَ نَبِيٍّ، مِنْهُمْ خَمْسَةٌ اُولُو الْعَزْمِ: نُوْحٌ، وَ اِبْرَاهِيْمُ، وَ مُوْسٰى، وَ عِيْسٰى، وَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. وَ اِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَانَ هِبَةَ اللّٰهِ لِمُحَمَّدٍ، وَ وَرِثَ عِلْمَ الْاَوْصِيَآءِ وَ عِلْمَ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ. اَمَّا اِنَّ مُحَمَّدًا وَّرِثَ عِلْمَ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: روئے زمین پر پہلے وصی جناب ہبۃ اللہ بن آدمؑ تھے، اس کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں تھا جس کا کوئی وصی نہ رہا ہو، جبکہ انبیاءؑ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اور ان میں سے پانچ اولوالعزم تھے: نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہبۃ اللہ تھے اور انہیں تمام اوصیاء اور سابق کے اولیاء کا ورثہ ملا تھا جس طرح کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام کے وارث ہیں۔[2]

[13] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلَا اِنَّ الْعِلْمَ الَّذِيْ هَبَطَ بِهٖ اٰدَمُ وَ جَمِيْعُ مَا فُضِّلَتْ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اِلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ فِيْ عِتْرَةِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. فَاَيْنَ يُتَاهُ بِكُمْ وَ اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ؟!۔

---

[1] احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۱۰۶۔ ملہوف، ص ۱۹۵۔ مثیر الاحزان، ص ۸۷۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۴، حدیث ۲۔ بصائر الدرجات، ص ۱۲۱، حدیث ۱۔ اعلام الدین، ص ۴۶۴۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: آگاہ ہوجاؤ کہ جناب آدمؑ جن علوم لے کر آئے تھے اور جس کے ذریعہ تمام انبیاءؑ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے، سب کے سب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت میں پائے جاتے ہیں تو آخر تم لوگ کدھر بہک رہے ہو اور کدھر چلے جارہے ہو؟۔[1]

[14] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ. جَلَّلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ عَلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَوْبًا. ثُمَّ عَلَّمَهٗ اَلْفَ كَلِمَةٍ. كُلُّ كَلِمَةٍ تَفْتَحُ اَلْفَ كَلِمَةٍ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم سب انبیاءؑ کے وارث ہیں، رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو زیر کساء لے کر ایک ہزار کلمات کی تعلیم دی اور ان پر ہر کلمہ سے (مزید) ہزار کلمات روشن ہوگئے۔[2]

[15] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْعِلْمَ الَّذِيْ نَزَلَ مَعَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُرْفَعْ وَ الْعِلْمُ يُتَوَارَثُ. وَ كَانَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَالِمُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ. وَ اِنَّهٗ لَمْ يَهْلِكْ مِنَّا عَالِمٌ قَطُّ اِلَّا خَلَفَهٗ مِنْ اَهْلِهٖ مَنْ عَلِمَ مِثْلَ عِلْمِهٖ. اَوْ مَا شَآءَ اللهُ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: آدم علیہ السلام جو علم لے کر آئے تھے وہ واپس نہیں گیا بلکہ یہیں اس کی وراثت چلتی رہی اور حضرت علی علیہ السلام اس امت کے عالم تھے اور ہم میں سے کوئی عالم دنیا سے نہیں جاتا ہے مگر یہ کہ اپنے جیسا عالم چھوڑ کر جاتا ہے یا جیسا خدا چاہتا ہے۔[3]

[16] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اَهْلَ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ شَرَّفَهُمُ اللهُ بِكَرَامَتِهٖ. وَاَعَزَّهُمْ بِهُدَاهُ. وَاخْتَصَّهُمْ لِدِيْنِهٖ. وَ فَضَّلَهُمْ بِعِلْمِهٖ. وَ اسْتَحْفَظَهُمْ وَاَوْدَعَهُمْ عِلْمَهٗ... فَهُمُ الْاَئِمَّةُ الدُّعَاةُ. وَالْقَادَةُ الْهُدَاةُ. وَالْقُضَاةُ الْحُكَّامُ. وَالنُّجُوْمُ الْاَعْلَامُ. وَالْاُسْوَةُ الْمُتَخَيَّرَةُ. وَالْعِتْرَةُ الْمُطَهَّرَةُ. وَالْاُمَّةُ الْوُسْطٰى. وَالصِّرَاطُ الْاَعْلَمُ. وَالسَّبِيْلُ الْاَقْوَمُ. زِيْنَةُ النُّجَبَآءِ. وَوَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے: اے لوگو! تمہارے پیغمبر کے اہلبیتؑ کو پروردگار نے اپنی کرامت سے مشرف کیا ہے اور اپنی ہدایت سے معزز بنادیا ہے، اپنے دین کیلئے مخصوص کیا ہے اور اپنے علم سے فضیلت عطا کی ہے، پھر اپنے علم کا محافظ اور امین قرار دیا ہے۔ اہلبیتؑ، امام، داعی دین، قائد،

---

[1] ارشاد شیخ مفیدؒ، ج ۱، ص ۲۳۲۔ تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۰۲، حدیث ۳۰۰۔ تفسیر قمی، ج ۲، ص ۳۶۷۔

[2] الخصال، ص ۶۵۱، حدیث ۴۹۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۲، حدیث ۲۔ کمال الدین، ص ۲۲۳، حدیث ۱۴۔

ہادی، حاکم، قاضی، ستارۂ ہدایت، اسوۂ حسنہ، عترت طاہرہ، امت وسط، صراط واضح، سیدھا راستہ، زینت نجباء اور ورثہ انبیاءؑ ہیں۔[1]

[17] اَبُوْ بَصِيْرٍ: دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَهٗ: اَنْتُمْ وَرَثَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَارِثُ الْاَنْبِيَآءِ. عَلِمَ كُلَّ مَا عَلِمُوْا؟ قَالَ لِيْ: نَعَمْ۔

ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: کیا آپ حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں؟ فرمایا: بیشک، میں نے عرض کی: رسول اکرمؐ تو تمام انبیاءؑ کے وارث اور ان کے علوم کے عالم تھے؟ فرمایا: بیشک (ہم بھی ایسے ہی ہیں)۔[2]

[18] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَالِمًا وَ الْعِلْمُ يُتَوَارَثُ. وَ لَنْ يَّهْلِكَ عَالِمٌ اِلَّا بَقِيَ مِنْ بَعْدِهٖ مَنْ يَّعْلَمُ عِلْمَهٗ اَوْ مَا شَآءَ اللهُ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت علی علیہ السلام عالم تھے اور علم ان کی وراثت میں چلتا رہتا ہے کہ جب کوئی عالم مرتا ہے تو اس کے بعد اسی علم کا وارث آجاتا ہے یا جو خدا چاہتا ہے۔[3]

[19] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْعِلْمَ الَّذِيْ نَزَلَ مَعَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُرْفَعْ. وَ مَا مَاتَ عَالِمٌ اِلَّا وَ قَدْ وَرَّثَ عِلْمَهٗ. اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَبْقٰى بِغَيْرِ عَالِمٍ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: جو علم حضرت آدمؑ کے ساتھ آیا تھا وہ واپس نہیں گیا اور کوئی بھی عالم مرتا ہے تو اس کے علم کا وارث موجود رہتا ہے۔ یہ زمین کسی وقت بھی عالم سے خالی نہیں ہوتی۔[4]

[20] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ. وَ وَرَثَةُ كِتَابِ اللهِ. وَ نَحْنُ صَفْوَتُهٗ۔

---

[1] تفسیر فرات کوفی، ص ۳۳۷، حدیث ۴۶۰۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۴۷، حدیث ۳۔ رجال کشی، ج ۱، ص ۴۰۸، حدیث ۲۹۸۔ بصائر الدرجات، ص ۲۶۹، حدیث ۱۔ دلائل الامامہ، ص ۲۲۶، حدیث ۱۵۳۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۸۴۔ الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۷۱۱، حدیث ۸۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۱، حدیث ۱۔ علل الشرائع، ص ۵۹۱، حدیث ۴۰۔ بصائر الدرجات، ص ۱۱۸، حدیث ۲۔ الامامۃ والتبصرہ، ص ۲۲۵، حدیث ۷۵۔ کمال الدین، ص ۲۲۳، حدیث ۱۳۔

[4] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۳، حدیث ۸۔ کمال الدین، ص ۲۲۴، حدیث ۱۹۔ بصائر الدرجات، ص ۱۱۶، حدیث ۹۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم انبیاء اور کتاب الٰہی کے وارث اور اللہ کے برگزیدہ ہیں۔[1]

[21] ضُرَيْسٌ الْكُنَاسِيُّ: كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ عِنْدَهُ اَبُوْ بَصِيْرٍ. فَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ دَاوُدَ وَرِثَ عِلْمَ الْاَنْبِيَآءِ. وَ اِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ. وَ اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَرِثَ سُلَيْمَانَ. وَ اِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. وَ اِنَّ عِنْدَنَا صُحُفَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اَلْوَاحَ مُوْسٰى. فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْعِلْمُ. فَقَالَ: يَآ اَبَا مُحَمَّدٍ. لَيْسَ هٰذَا هُوَ الْعِلْمَ. اِنَّمَا الْعِلْمُ مَا يَحْدُثُ بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ. يَوْمًا بِيَوْمٍ. وَ سَاعَةً بِسَاعَةٍ۔

ضریس کناسی کا بیان ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اور ابوبصیر بھی موجود تھے کہ حضرتؑ نے فرمایا: جناب داؤد علیہ السلام علوم انبیاء کے وارث تھے اور ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں سب موجود ہیں۔ ابوبصیر نے عرض کی: حضورؑ! یہ تو واقعی علم ہے۔ فرمایا: یہ علم نہیں ہے، علم وہ ہے جو روز و شب روزانہ اور ساعت بہ ساعت تازہ ہوتا رہتا ہے۔[2]

[22] اَلْاِمَامُ الْهَادِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فِي الزِّيَارَةِ الْجَامِعَةِ الَّتِيْ يُزَارُ بِهَا الْاَئِمَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔: اَلسَّلَامُ عَلٰى اَئِمَّةِ الْهُدٰى. وَ مَصَابِيْحِ الدُّجٰى. وَ اَعْلَامِ التُّقٰى. وَ ذَوِي النُّهٰى. وَ اُولِي الْحِجٰى. وَ كَهْفِ الْوَرٰى. وَ وَرَثَةِ الْاَنْبِيَآءِ. وَ الْمَثَلِ الْاَعْلٰى. وَ الدَّعْوَةِ الْحُسْنٰى. وَ حُجَجِ اللهِ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى. وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام زیارت جامعہ میں ارشاد فرماتے ہیں: سلام ہو آئمہ ہدیٰؑ پر جو تاریکیوں کے چراغ، تقویٰ کی نشانیاں، صاحبان عقل، ارباب فکر، پناہ گاہ خلائق، انبیاءؑ کے وراث، مثل اعلیٰ، دعوتِ خیر اور دنیا و آخرت سب پر اللہ کی حجت ہیں۔ ان پر رحمت و برکات ہوں۔[3]

۴۔ ان کی حدیث، حدیث رسولؐ ہے:

[23] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ لَمَّا سُئِلَ عَنِ الْحَدِيْثِ يُرْسِلُهٗ وَ لَا يُسْنِدُهٗ۔: اِذَا حَدَّثْتُ

---

[1] مختصر بصائر الدرجات، ص ۶۳۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۵، حدیث ۴۔ بصائر الدرجات، ص ۱۳۵، حدیث ۱۔

[3] تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۹۶، حدیث ۱۷۷۔

الْحَدِيْثَ فَلَمْ اُسْنِدْهُ فَسَنَدِيْ فِيْهِ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَنْ جَبْرَئِيْلَ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اگر آپؑ کسی حدیث کو بلا سند بیان کریں تو اس کی سند کیا ہے؟ فرمایا ایسی حدیث کی سند یہ ہے کہ میں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپؐ نے جبریلؑ سے نقل کیا ہے۔[1]

[24] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَوْ اَنَّنَا حَدَّثْنَا بِرَاْيِنَا ضَلَلْنَا كَمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا. وَلٰكِنَّا حَدَّثْنَا بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّنَا بَيَّنَهَا لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَبَيَّنَهَا لَنَا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: اگر ہم اپنی رائے سے حدیث بیان کرتے تو اسی طرح گمراہ ہو جاتے جس طرح پہلے والے گمراہ ہو گئے تھے۔ ہم اس دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جسے پروردگار نے اپنے پیغمبر کو عطا کیا ہے اور انہوں نے ہم سے بیان کیا ہے۔[2]

[25] جَابِرٌ: قُلْتُ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الْبَاقِرِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: اِذَا حَدَّثْتَنِيْ بِحَدِيْثٍ فَاَسْنِدْهُ لِيْ. فَقَالَ: حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَنْ جَبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. وَكُلُّ مَا اُحَدِّثُكَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ۔

جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی: جب آپؑ کوئی حدیث بیان کریں تو اس کی سند بھی بیان فرما دیا کریں؟ فرمایا: ہماری ہر حدیث کی سند، والد محترم، جد بزرگوار، ان کے والد محترم، پیغمبر اسلامؐ اور آخر میں جبریل امینؑ ہیں۔[3]

[26] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: حَدِيْثِيْ حَدِيْثُ اَبِيْ. وَ حَدِيْثُ اَبِيْ حَدِيْثُ جَدِّيْ. وَ حَدِيْثُ جَدِّيْ حَدِيْثُ الْحُسَيْنِ. وَ حَدِيْثُ الْحُسَيْنِ حَدِيْثُ الْحَسَنِ. وَ حَدِيْثُ الْحَسَنِ حَدِيْثُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. وَ حَدِيْثُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ. وَ حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

---

[1] ارشاد شیخ مفیدؒ، ص ۱۶۷۔ الخرائج والجرائح، ص ۸۹۳۔ روضۃ الواعظین، ص ۲۲۶۔

[2] اعلام الوریٰ، ص ۲۹۴۔ الاختصاص، ص ۲۸۱۔

[3] امالی شیخ مفیدؒ، ص ۴۲، حدیث ۱۰۔ حلیۃ الابرار، ج ۲، ص ۹۵۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہماری حدیث ہمارے والد کی حدیث ہے، ان کی حدیث ہمارے جد کی حدیث ہے، ان کی حدیث امام حسین علیہ السلام کی حدیث ہے، ان کی حدیث امام حسن علیہ السلام کی حدیث ہے، ان کی حدیث امیر المومنین علی علیہ السلام کی حدیث ہے، ان کی حدیث رسول اللہؐ کی حدیث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث قول پروردگار ہے۔[1]

[27] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ اللهَ فَرَضَ وَلَايَتَنَا. وَ اَوْجَبَ مَوَدَّتَنَا. وَ اللهِ! مَا نَقُوْلُ بِاَهْوَآئِنَا. وَ لَا نَعْمَلُ بِاٰرَآئِنَا. وَ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا قَالَ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے ہماری ولایت کو فرض قرار دیا ہے اور ہماری محبت کو واجب کیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ہیں اور نہ اپنی رائے سے کام کرتے ہیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار نے کہا ہے۔[2]

[28] اَلْاِمَامُ الْكَاظِمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فِيْ جَوَابِ خَلَفِ بْنِ حَمَّادٍ الْكُوْفِيِّ لَمَّا سَئَلَهٗ عَنْ مَسْئَلَةٍ مُشْكِلَةٍ۔: وَاللهِ! اِنِّيْ مَآ اُخْبِرُكَ اِلَّا عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ عَنْ جَبْرَئِيْلَ عَنِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے خلف بن حماد کوفی کے سخت ترین سوال کے جواب میں فرمایا: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبریل امینؑ کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں۔[3]

[29] اَلْاِمَامُ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّا عَنِ اللهِ وَ عَنْ رَّسُوْلِهٖ نُحَدِّثُ۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہمیشہ اللہ اور رسولؐ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔[4]

۵۔ اعلم الناس:

[30] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا: كِتَابَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ. وَ اَهْلَ بَيْتِيْ عِتْرَتِيْ. اَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوْا وَ قَدْ بَلَّغْتُ اَنَّكُمْ سَتَرِدُوْنَ عَلَيَّ

[1] الکافی، ج ۱، ص ۵۳، حدیث ۱۴۔ روضۃ الواعظین، ص ۲۳۳۔

[2] امالی شیخ مفیدؒ، ص ۶۰، حدیث ۴۔

[3] الکافی، ج ۳، ص ۹۴، حدیث ۱۔

[4] رجال کشی، ج ۲، ص ۴۹۰، حدیث ۴۰۱۔

الْحَوْضَ. فَأَسْئَلُكُمْ عَمَّا فَعَلْتُمْ فِي الثَّقَلَيْنِ. وَالثَّقَلَانِ كِتَابُ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ وَ اَهْلُ بَيْتِيْ. فَلَا تَسْبِقُوْهُمْ فَتَهْلِكُوْا. وَ لَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو اختیار کرلو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتاب خدا ہے اور ایک میری عترت اہلبیتؑ۔ اے لوگو! میری بات سنو! میں نے یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ تم سب عنقریب میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوگے تو میں سوال کروں گا کہ تم نے ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور یہ ثقلین کتاب خدا اور میرے اہلبیتؑ ہیں۔ خبردار! ان سے آگے نہ بڑھ جانا کہ ہلاک ہوجاؤ گے اور انہیں پڑھانے کی کوشش بھی نہ کرنا کہ یہ تم سب سے زیادہ علم والے ہیں۔[1]

[31] عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: اَلَا اِنَّ اَبْرَارَ عِتْرَتِيْ وَ اَطَآئِبَ اُرُوْمَتِيْ اَحْلَمُ النَّاسِ صِغَارًا وَ اَعْلَمُ النَّاسِ كِبَارًا. فَلَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ. لَا يُخْرِجُوْنَكُمْ مِنْ بَابِ هُدًى وَ لَا يُدْخِلُوْنَكُمْ فِيْ بَابِ ضَلَالَةٍ۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: یاد رکھو کہ میری عترت کے نیک کردار اور میرے خاندان کے پاکیزہ نفس افراد بچوں میں سب سے زیادہ ہوشمند اور بزرگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم ہوتے ہیں۔ خبردار! انہیں تعلیم نہ دینا کہ یہ تم سب سے اعلم ہیں۔ یہ نہ تمہیں ہدایت کے دروازہ سے باہر لے جائیں گے اور نہ گمراہی کے دروازہ میں داخل کریں گے۔[2]

[32] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَ لَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُوْنَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اَنَّهٗ قَالَ: اِنِّيْ وَ اَهْلُ بَيْتِيْ مُطَهَّرُوْنَ. فَلَا تَسْبِقُوْهُمْ فَتَضِلُّوْا. وَ لَا تَتَخَلَّفُوْا عَنْهُمْ فَتَزِلُّوْا. وَ لَا تُخَالِفُوْهُمْ فَتَجْهَلُوْا. وَ لَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ. هُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ كِبَارًا. وَ اَحْلَمُ النَّاسِ صِغَارًا۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: اصحاب پیغمبرؐ میں حافظان حدیث جانتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: میں اور میرے اہلبیتؑ سب پاک و پاکیزہ ہیں، ان سے آگے نہ بڑھ جانا کہ گمراہ ہوجاؤ گے

---

[1] الکافی، ج۱، ص ۲۹۴، حدیث ۳۔ تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۲۵۰، حدیث ۱۶۹۔

[2] عیون اخبار الرضاؑ، ج۱، ص ۲۰۴، حدیث ۱۷۱۔ احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۲۳۶۔ شرح نہج البلاغہ معتزلی، ج۱، ص ۲۷۶۔

اوران کی مخالفت نہ کرنا کہ جاہل رہ جاؤگے اورانہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرنا کہ یہ تم سے اعلم ہیں۔ یہ بزرگی میں تمام لوگوں سے اعلم اور کمسنی میں تمام بچوں سے زیادہ ہوشمند ہوتے ہیں۔[1]

[33] جَابِرُ بْنُ یَزِیْدَ۔ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ۔ : دَخَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیُّ عَلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ (ع) فَبَیْنَمَا هُوَ یُحَدِّثُهٗ اِذْ خَرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ الْبَاقِرُ (ع) مِنْ عِنْدِ نِسَآئِهٖ وَ عَلٰی رَأْسِهٖ ذُؤَابَةٌ وَ هُوَ غُلَامٌ فَلَمَّا بَصُرَ بِهٖ جَابِرٌ ارْتَعَدَتْ فَرَآئِصُهٗ وَ قَامَتْ کُلُّ شَعْرَةٍ عَلٰی بَدَنِهٖ وَ نَظَرَ اِلَیْهِ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ لَهٗ یَا غُلَامُ! اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ. ثُمَّ قَالَ لَهٗ: اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ. فَقَالَ جَابِرٌ: شَمَآئِلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ! ثُمَّ قَامَ فَدَنَا مِنْهُ فَقَالَ لَهٗ: مَا اسْمُكَ؟ یَا غُلَامُ! فَقَالَ: مُحَمَّدٌ. قَالَ: ابْنُ مَنْ؟ قَالَ: ابْنُ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ. قَالَ: یَا بُنَیَّ! فَدَتْكَ نَفْسِیْ. فَاَنْتَ اِذًا الْبَاقِرُ. فَقَالَ: نَعَمْ. ثُمَّ قَالَ: فَاَبْلِغْنِیْ مَا حَمَّلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) فَقَالَ جَابِرٌ: یَا مَوْلَایَ! اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) بَشَّرَنِیْ بِالْبَقَآءِ اِلٰی اَنْ اَلْقَاكَ وَ قَالَ لِیْ: اِذَا لَقِیْتَهٗ فَاَقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ. فَرَسُوْلُ اللّٰهِ یَا مَوْلَایَ! یَقْرَأُ عَلَیْكَ السَّلَامَ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ (ع) یَا جَابِرُ! عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامُ مَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ عَلَیْكَ یَا جَابِرُ! کَمَا بَلَّغْتَ السَّلَامَ. فَکَانَ جَابِرٌ بَعْدَ ذٰلِكَ یَخْتَلِفُ اِلَیْهِ وَ یَتَعَلَّمُ مِنْهُ فَسَئَلَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ (ع) عَنْ شَیْءٍ فَقَالَ لَهٗ جَابِرٌ: وَ اللّٰهِ! مَا دَخَلْتُ فِیْ نَهْیِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) فَقَدْ اَخْبَرَنِیْ اَنَّکُمْ اَئِمَّةُ الْهُدَاةِ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ. اَحْلَمُ النَّاسِ صِغَارًا وَ اَعْلَمُ النَّاسِ کِبَارًا وَ قَالَ: لَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَهُمْ اَعْلَمُ مِنْکُمْ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ (ع): صَدَقَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مِنْكَ بِمَا سَئَلْتُكَ عَنْهُ وَ لَقَدْ اُوْتِیْتُ الْحُکْمَ صَبِیًّا. کُلُّ ذٰلِكَ بِفَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ رَحْمَتِهٖ لَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ۔

جابر بن یزید، ایک طویل حدیث کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اثنائے گفتگو میں امام محمد باقر علیہ السلام بھی آگئے، بچپنے کا زمانہ تھا اور سر پر گیسو تھے۔ جابر نے آپؑ کو دیکھا تو کانپنے لگے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ غور سے دیکھنے کے بعد کہا: فرزند! ذرا آگے بڑھو؟ آپؑ آگے بڑھے۔ پھر کہا: ذرا پیچھے ہٹیں۔ آپؑ پیچھے ہٹے۔ جابر نے یہ دیکھ کر کہا: رب کعبہ کی قسم! بالکل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز ہے اور پھر سوال

[1] تفسیر قمی، ج ۱، ص ۴۔ اثبات الہداۃ، ج ۱، ص ۶۳۱، حدیث ۷۲۴۔

کیا کہ آپؑ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: محمد علیہ السلام!۔ کہا: کس کے بیٹے ہیں؟ فرمایا: امام زین العابدین علیہ السلام کے۔ کہا: میری جان آپؑ پر قربان! یقیناً آپ ہی باقر علیہ السلام ہیں؟ فرمایا: بیشک! تو اب اس امانت کو پہنچا دو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے حوالے کی ہے! جابر نے عرض کی: مولا! حضورؐ نے مجھے بشارت دی تھی کہ آپؑ کی ملاقات تک زندہ رہوں گا اور فرمایا تھا: جب ملاقات ہو جائے تو میرا اسلام کہہ دینا، لہٰذا پیغمبر اکرمؐ کا سلام قبول فرمائیں۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے جابر! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرا اسلام جب تک زمین و آسمان قائم رہیں اور تم پر بھی میرا اسلام جس طرح تم نے میرا اسلام پہنچایا ہے۔ اس کے بعد جابر برابر آپؑ کی خدمت میں آتے رہے اور آپؑ سے علم حاصل کرتے رہے۔ ایک مرتبہ آپؑ نے جابر سے کوئی سوال کیا تو جابر نے عرض کی: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہوں۔ اس لئے کہ آپؐ کا فرمان ہے کہ: آپ اہلبیتؑ کے تمام حق کے امام بچپنے میں سب سے زیادہ ہوشمند اور بڑے ہو کر سب سے زیادہ اعلم ہوتے ہیں اور کسی کو حق نہیں ہے کہ آپؑ حضرات کو تعلیم دے کہ آپؑ سب سے زیادہ اعلم ہوتے ہیں۔ یہ سن کر امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ میں اس مسئلہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں جو میں نے دریافت کیا ہے اور مجھے بچپنے ہی سے حکمت عطا کر دی گئی ہے اور یہ سب ہم اہلبیتؑ پر پروردگار کا فضل و کرم ہے۔[1]

[34] جَبَلَةُ بِنْتُ الْمُصَفَّحِ عَنْ اَبِيْهَا: قَالَ لِيْ عَلِيٌّ: يَآ اَخَا بَنِيْ عَامِرٍ! سَلْنِيْ عَمَّا قَالَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ. فَاِنَّا نَحْنُ اَهْلَ الْبَيْتِ اَعْلَمُ بِمَا قَالَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ۔

جبلہ بنت مصفح نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اے برادر بنی عامر! جو چاہو مجھ سے سوال کرو کہ ہم اہلبیتؑ خدا اور رسولؐ کے ارشادات کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔[2]

[35] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: غَايَةُ كُلِّ مُتَعَمِّقٍ فِيْ عِلْمِنَا اَنْ يَّجْهَلَ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہمارے علم کی گہرائیوں پر غور کرنے والے کے علم کا آخری انجام جہالت ہے۔[3]

---

[1] کمال الدین، ص ۲۵۳، حدیث ۳۔

[2] الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۲۴۰۔

[3] الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۲۴۰۔

[36] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔لِسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ وَ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ: شَرِّقَا وَ غَرِّبَا، فَلَا تَجِدَانِ عِلْمًا صَحِيْحًا اِلَّا شَيْئًا خَرَجَ مِنْ عِنْدِنَا اَهْلَ الْبَيْتِ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سلمہ بن کہیل اور حکم بن عتیبہ سے فرمایا: جاؤ مشرق و مغرب کے چکر لگا آؤ، کوئی علم صحیح ایسا نہ پاؤ گے جو ہم اہلبیتؑ کے گھر سے نہ نکلا ہو۔[1]

[37] اَبُوْ بَصِيْرٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ لِيْ: اِنَّ الْحَكَمَ بْنَ عُتَيْبَةَ مِمَّنْ قَالَ اللهُ: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝﴾[2] فَلْيُشَرِّقِ الْحَكَمُ وَلْيُغَرِّبْ، اَمَا وَاللهِ! لَا يُصِيْبُ الْعِلْمَ اِلَّا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ نَزَلَ عَلَيْهِمْ جَبْرَئِيْلُ۔

ابوبصیر ناقل ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حکم بن عتیبہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں ارشاد قدرت ہے کہ: ''بعض لوگ ایسے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں''، اس سے کہہ دو کہ جائے مشرق و مغرب کے چکر لگائے، خدا کی قسم کہیں علم نہ ملے گا مگر یہ کہ اسی گھر سے نکلا ہوگا جس میں جبریلؑ کا نزول ہوتا ہے۔[3]

[38] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَيْسَ عِنْدَ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ حَقٌّ وَّ لَا صَوَابٌ، وَ لَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَقْضِيْ بِقَضَآءٍ حَقٍّ اِلَّا مَا خَرَجَ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ. وَ اِذَا تَشَعَّبَتْ بِهِمُ الْاُمُوْرُ كَانَ الْخَطَاُ مِنْهُمْ وَالصَّوَابُ مِنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کسی شخص کے پاس نہ کوئی حرف حق ہے اور نہ حرف راست اور نہ کوئی صحیح فیصلہ کرنا جانتا ہے مگر یہ کہ وہ علم ہم اہلبیتؑ ہی کے گھر سے نکلا ہے اور جب بھی امور میں اختلاف نظر آئے تو سمجھ لو کہ غلطی قوم کی طرف سے ہے اور حرف راست حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے ہے۔[4]

[39] زُرَارَةُ: كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ يَسْئَلُهٗ عَنْ قَوْلِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: سَلُوْنِيْ عَمَّا شِئْتُمْ. فَلَا تَسْئَلُوْنَنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُكُمْ

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۹۹، حدیث ۳۔ بصائر الدرجات، ص ۱۰۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۸۔

[3] بصائر الدرجات، ج ۲، ص ۹۔ الکافی، ج ۱، ص ۲۹۹، حدیث ۴۔

[4] الکافی، ج ۱، ص ۳۹۹، حدیث ۱، بصائر الدرجات، ص ۵۱۹، حدیث ۱۲۔ المحاسن، ج ۱، ص ۲۴۳، حدیث ۴۴۸۔

بِهٖ. قَالَ: اِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ عِنْدَهٗ عِلْمُ شَیْءٍ اِلَّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَلْيَذْهَبِ النَّاسُ حَيْثُ شَآؤُوْا فَوَاللّٰهِ! لَيْسَ الْاَمْرُ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا. وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ اِلٰى بَيْتِهٖ۔

زرارہ کا بیان ہے: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک کوفی شخص نے امیر المومنین علی علیہ السلام کے اس ارشاد کے بارے میں دریافت کیا کہ: ''جو چاہو پوچھ لو، میں تمہیں بتا سکتا ہوں''۔ آپؑ نے فرمایا: بیشک! کسی شخص کے پاس کوئی علم نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا مصدر امیر المومنین علیہ السلام کا علم ہے، لوگ جدھر چاہیں چلے جائیں بالآخر مصدر یہی گھر ثابت ہوگا۔[1]

[40] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كُلُّ مَا لَمْ يَخْرُجْ مِنْ هٰذَا الْبَيْتِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

حضرت امام باقر علیہ السلام جو علم بھی اس گھر سے نہ نکلا ہو، سمجھ لو کہ باطل اور بیکار ہے۔[2]

[41] عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سُلَيْمَانَ: سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ وَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ يُقَالُ لَهٗ عُثْمَانُ الْاَعْمٰى وَهُوَ يَقُوْلُ: اِنَّ الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ يَزْعُمُ اَنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ الْعِلْمَ يُؤْذِيْ رِيْحُ بُطُوْنِهِمْ اَهْلَ النَّارِ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فَهَلَكَ اِذَنْ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ! مَا زَالَ الْعِلْمُ مَكْتُوْمًا مُنْذُ بَعَثَ اللّٰهُ نُوْحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَلْيَذْهَبِ الْحَسَنُ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا. فَوَاللّٰهِ! مَا يُوْجَدُ الْعِلْمُ اِلَّا هٰهُنَا۔

عبداللہ بن سلیمان کا بیان ہے: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس وقت فرماتے سنا ہے جب آپؑ کے پاس بصرہ کا عثمان اعمیٰ نامی شخص موجود تھا۔ آپؑ نے فرمایا: حسن بصری کا خیال ہے کہ جو لوگ اپنے علم کو پوشیدہ رکھتے ہیں ان کی بدبو سے اہل جہنم کو بھی اذیت ہوگی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن آل فرعون بھی ہلاک ہوگیا حالانکہ جناب نوح علیہ السلام کے زمانہ سے علم ہمیشہ پوشیدہ رہا ہے اور حسن بصری سے کہہ دو کہ دائیں بائیں ہر جگہ دیکھ لے اس گھر کے علاوہ کہیں علم نہ ملے گا۔[3]

[42] اَبُوْ بَصِيْرٍ: سَئَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ شَهَادَةِ وَلَدِ الزِّنَا: تَجُوْزُ؟ فَقَالَ: لَا. فَقُلْتُ: اِنَّ الْحَكَمَ بْنَ عُتَيْبَةَ يَزْعُمُ اَنَّهَا تَجُوْزُ. فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَغْفِرْ ذَنْبَهٗ. مَا قَالَ اللّٰهُ

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۳۹۹، حدیث ۲۔

[2] مختصر بصائر الدرجات، ص ۶۲۔ بصائر الدرجات، ص ۵۱۱، حدیث ۲۱۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۵۱، حدیث ۱۵۔ احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۱۹۳، حدیث ۲۱۲۔

لِلْحَكَمِ: ﴿وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ﴾[1]. فَلْيَذْهَبِ الْحَكَمُ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا. فَوَاللّٰهِ! لَا يُؤْخَذُ الْعِلْمُ اِلَّا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ نَزَلَ عَلَيْهِمْ جَبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

ابوبصیر کا بیان ہے: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ ولدالزنا کی گواہی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی: حکم بن عتبہ تو اسے جائز جانتا ہے؟ فرمایا: خدایا! اس کے گناہ کو معاف نہ کرنا، پروردگار نے حکم کے بارے میں تو ارشاد نہیں فرمایا کہ: ''(حبیبؐ!) یہ (قرآن) آپؐ اور آپؐ کی قوم کیلئے ذکر قرار دیا ہے''۔ اس سے کہہ دو کہ مشرق و مغرب سب دیکھ لے، علم صرف اس گھر میں ملے گا جس میں جبریل امینؑ کا نزول ہوتا ہے۔[2]

[43] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا يُوْنُسُ! اِذَا اَرَدْتَّ الْعِلْمَ الصَّحِيْحَ فَخُذْ عَنْ اَهْلِ الْبَيْتِ. فَاِنَّا رُوِّيْنَاهُ، وَ اُوْتِيْنَا شَرْحَ الْحِكْمَةِ، وَ فَصْلَ الْخِطَابِ. اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَانَا وَ اٰتَانَا مَا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے یونس! اگر علم صحیح درکار ہے تو اہلبیتؑ سے حاصل کرو کہ اس کا علم ہمیں کو دیا گیا ہے اور ہمیں حکمت کی شرح اور حرف آخر عطا کیا گیا ہے، پروردگار نے ہمیں منتخب کیا ہے اور وہ سب کچھ عطا کر دیا ہے جو عالمین میں کسی کو نہیں دیا ہے۔[3]

[44] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ وَ عِنْدَهٗ اُنَاسٌ مِّنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ: عَجَبًا لِّلنَّاسِ. اِنَّهُمْ اَخَذُوْا عِلْمَهُمْ كُلَّهٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَعَمِلُوْا بِهٖ وَاهْتَدَوْا. وَيَرَوْنَ اَنَّ اَهْلَ بَيْتِهٖ لَمْ يَاْخُذُوْا عِلْمَهٗ. وَ نَحْنُ اَهْلُ بَيْتِهٖ وَ ذُرِّيَّتُهٗ. فِيْ مَنَازِلِنَا نَزَلَ الْوَحْيُ. وَ مِنْ عِنْدِنَا خَرَجَ الْعِلْمُ اِلَيْهِمْ. اَفَيَرَوْنَ اَنَّهُمْ عَلِمُوْا وَاهْتَدَوْا وَ جَهِلْنَا نَحْنُ وَ ضَلَلْنَا؟! اِنَّ هٰذَا مُحَالٌ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک جماعت حاضر تھی جب آپؑ نے فرمایا: حیرت انگیز بات ہے کہ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کیا اور عالم بن گئے اور ہدایت یافتہ ہو گئے اور ان کا خیال ہے کہ اہلبیتؑ نے حضورؐ کا علم نہیں لیا ہے، حالانکہ ہم اہلبیتؑ ان کی ذریت ہیں اور وحی

---

[1] سورۂ زخرف، آیت ۴۴۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۴۰۰، حدیث ۵۔

[3] بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۱۵۸، حدیث ۵۔ الصراط المستقیم، ج ۲، ص ۱۵۷۔ اثبات الہداۃ، ج ۱، ص ۶۰۲۔

ہمارے ہی گھر میں نازل ہوئی ہے اور علم ہمارے ہی گھر سے نکل کر لوگوں تک گیا ہے! کیا ان کا خیال ہے کہ یہ سب عالم اور ہدایت یافتہ ہو گئے ہیں اور ہم جاہل اور گمراہ رہ گئے ہیں۔ یہ تو بالکل امر محال ہے۔[1]

[45] اَلْاِمَامُ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ وَ الْاَئِمَّةَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ يُوَفِّقُهُمُ اللهُ وَ يُؤْتِيْهِمْ مِنْ مَخْزُوْنِ عِلْمِهٖ وَ حُكْمِهٖ مَا لَا يُؤْتِيْهِ غَيْرَهُمْ. فَيَكُوْنُ عِلْمُهُمْ فَوْقَ عِلْمِ اَهْلِ الزَّمَانِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۝﴾[2] وَقَوْلِهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾[3] وَقَوْلِهٖ فِيْ طَالُوْتَ: ﴿اِنَّ اللهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝﴾[4]۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: انبیاء کرام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام وہ ہیں جنہیں پروردگار توفیق دیتا ہے اور اپنے علم وحکمت کے خزانہ سے وہ سب کچھ عنایت کر دیتا ہے جو کسی کو نہیں دیتا ہے۔ ان کا علم تمام اہل زمانہ کے علم سے بالاتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "کیا جو شخص حق کی ہدایت دیتا ہے وہ زیادہ پیروی کا حقدار ہے یا وہ شخص جو اس وقت تک ہدایت بھی نہیں پاتا ہے جب تک اسے ہدایت نہ دی جائے، آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیا فیصلہ کر رہے ہو"۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "جسے حکمت دیدی جائے اسے خیر کثیر دیدیا گیا ہے"۔ پھر جناب طالوتؑ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: "اللہ نے انہیں تم سب میں منتخب قرار دیا ہے اور علم وجسم کی طاقت میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے ملک عنایت کرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی ہے"۔[5]

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۳۹۸، حدیث ۱۔ امالی شیخ مفیدؒ، ص ۱۲۲، حدیث ۶۔ بصائر الدرجات، ص ۱۲، حدیث ۳۔

[2] سورۂ یونس، آیت ۳۵۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۹۔

[4] سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۷۔

[5] الکافی، ج ۱، ص ۲۰۲، حدیث ۱۔ کمال الدین، ص ۲۸۰، حدیث ۳۱۔ امالی شیخ صدوقؒ، ص ۵۴۰، حدیث ۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۲۱، حدیث ۱۔ معانی الاخبار، ص ۱۰۰، حدیث ۲۔ احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۴۴۵، حدیث ۳۱۰۔

۶۔راسخون فی العلم:

[46] اَلْاِمَامُ علیؑ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اَيْنَ الَّذِيْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمُ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ دُوْنَنَا. كَذِبًا وَ بَغْيًا عَلَيْنَا. اِنْ رَفَعَنَا اللهُ وَ وَضَعَهُم. وَ اَعْطَانَا وَ حَرَمَهُمْ. وَ اَدْخَلَنَا وَ اَخْرَجَهُمْ؟! بِنَا يُسْتَعْطَى الْهُدٰى. وَ يُسْتَجْلَى الْعَمٰى۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے: کہاں ہیں وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ ہمارے بجائے وہی "راسخون فی العلم" ہیں، حالانکہ یہ صریحی جھوٹ ہے اور ہمارے اوپر ظلم ہے کہ خدا نے ہمیں بلند بنایا ہے اور انہیں پست قرار دیا ہے، ہمیں علم عنایت فرمایا ہے اور انہیں اس علم سے الگ رکھا ہے، ہمیں اپنی بارگاہ میں داخل کیا ہے اور انہیں دور رکھا ہے، ہمارے ہی ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے، اور تاریکیوں میں روشنی تلاش کی جاتی ہے۔[1]

[47] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : فُرِضَ عَلَى الْاُمَّةِ طَاعَةُ وُلَاةِ اَمْرِهِ الْقُوَّامِ بِدِيْنِهِ. كَمَا فُرِضَ عَلَيْهِمْ طَاعَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَقَالَ: ﴿اَطِيْعُوا اللهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾[2] ثُمَّ بَيَّنَ مَحَلَّ وُلَاةِ اَمْرِهٖ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِتَاْوِيْلِ كِتَابِهٖ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۚ﴾[3]. وَ عَجَزَ كُلُّ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ عَنْ مَّعْرِفَةِ تَاْوِيْلِ كِتَابِهٖ غَيْرَهُم. لِاَنَّهُمْ هُمُ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ. الْمَاْمُوْنُوْنَ عَلٰى تَاوِيْلِ التَّنْزِيْلِ. قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾[4]۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: پروردگار نے امت پر اولیائے امر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ قیام کرنے والے ہیں جس طرح کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو'' اس

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۲۴۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۲۸۵۔ غرر الحکم، ص ۲۸۲۶۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۵۹۔

[3] سورۂ نساء، آیت ۸۳۔

[4] سورۂ آل عمران، آیت ۷۔

کے بعد ان اولیائے امر، کی منزلت کی وضاحت تاویل قرآن کے ذریعہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اگر یہ لوگ مسائل کو رسولؐ اور اولی الامر کی طرف پلٹا دیتے تو دیکھتے کہ یہ حضرات تمام امور کے استنباط کی طاقت رکھتے ہیں''۔ اور ان کے علاوہ ہر شخص تاویل قرآن کے علم سے بے خبر ہے۔ جیسا کہ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا: ''اور اس (قرآن) کی تاویل کا علم صرف اللہ اور راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں''۔[1]

[48] بُرَيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ: قُلْتُ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلُ اللهِ: ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾. قَالَ: يَعْنِيْ: تَأْوِيْلَ الْقُرْاٰنِ كُلَّهٗ اِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ. فَرَسُوْلُ اللهِ اَفْضَلُ الرَّاسِخِيْنَ. قَدْ عَلَّمَهُ اللهُ جَمِيْعَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْهِ مِنَ التَّنْزِيْلِ وَ التَّأْوِيْلِ. وَ مَا كَانَ اللهُ مُنْزِلًا عَلَيْهِ شَيْئًا لَّمْ يُعَلِّمْهُ تَأْوِيْلَهُ. وَ اَوْصِيَآؤُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ يَعْلَمُوْنَهٗ كُلَّهٗ. فَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: مَا نَقُوْلُ اِذَا لَمْ نَعْلَمْ تَأْوِيْلَهٗ؟ فَاَجَابَهُمُ اللهُ: ﴿يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾[2]. وَالْقُرْاٰنُ لَهٗ خَاصٌّ وَّ عَامٌّ. وَ نَاسِخٌ وَّ مَنْسُوْخٌ. وَ مُحْكَمٌ وَ مُتَشَابِهٌ. فَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَعْلَمُوْنَهٗ۔

یزید بن معاویہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیہ مجیدہ ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: پورے قرآن کی تاویل کا راز خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام افراد میں سب سے افضل ہیں کہ پروردگار نے انہیں تمام تنزیل اور تاویل کا علم عنایت فرمایا ہے اور کوئی ایسی شے نازل نہیں کی جس کی تاویل کا علم انہیں نہ دیا اور پھر ان کے اوصیاء علیہم السلام کو عنایت فرمایا گیا اور جب جاہلوں نے یہ سوال کیا کہ ہم کیا کریں؟ تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا: ''انہیں یہ کہنا چاہیے کہ: ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سب اللہ ہی کی جانب سے ہے''۔ دیکھو! قرآن میں خاص بھی ہے اور عام بھی، ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی، محکم بھی ہے اور متشابہ بھی اور راسخون فی العلم ان تمام امور کو بخوبی جانتے ہیں۔[3]

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۹، ص ۷۹، حدیث ۲۹۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۷۔

[3] سورۂ آل عمران، آیت ۷۔

[49] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ. وَ نَحْنُ نَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ہم ہی راسخون فی العلم ہیں اور ہم ہی تاویل قرآن کے جاننے والے ہیں۔[1]

[50] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ: اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْاَئِمَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ بَعْدِهٖ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:! راسخون فی العلم، امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے بعد کے آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔[2]

۷۔ معدن العلم:

[51] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: نَحْنُ اَهْلَ الْبَيْتِ مَفَاتِيْحُ الرَّحْمَةِ. وَ مَوْضِعُ الرِّسَالَةِ. وَ مُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ. وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ہم اہلبیتؑ رحمت کی کنجی، رسالت کا مرکز، ملائکہ کے نزول کی منزل اور علم کی کان ہیں۔[3]

[52] حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْمَدَنِيُّ: اِنَّهٗ ذَكَرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ قَضَآءً قَضٰى بِهٖ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ. فَاَعْجَبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْنَا الْحِكْمَةَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔

حمید بن عبداللہ بن یزید المدنی ناقل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک فیصلہ کا ذکر کیا گیا جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے صادر کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم اہلبیتؑ کے گھر میں حکمت قرار دی ہے۔[4]

[53] اَلْاِمَامُ علیؑ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ. وَ مَحَطُّ الرِّسَالَةِ. وَ مُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ. وَ

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۱۳، حدیث ۳۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۱۳، حدیث ۳۔

[3] فرائد السمطین، ج ۱، ص ۴۴، حدیث ۹۔

[4] فضائل الصحابہ ابن حنبل، ج ۲، ص ۶۵۴، حدیث ۱۱۱۳۔ شرح الاخبار، ج ۲، ص ۳۰۹، حدیث ۶۳۱۔

مَعَادِنُ الْعِلْمِ، وَ يَنَابِيْعُ الْحُكْمِ. نَاصِرُنَا وَ مُحِبُّنَا يَنْتَظِرُ الرَّحْمَةَ، وَ عَدُوُّنَا وَ مُبْغِضُنَا يَنْتَظِرُ السَّطْوَةَ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہم شجرۂ نبوت، مرکز رسالت، منزل ملائکہ، معدن علم اور چشمہ حکمت ہیں۔ ہمارا دوست اور مددگار ہمیشہ منتظر رحمت رہتا ہے اور ہمارا دشمن اور بغض رکھنے والا ہمیشہ عذاب کے انتظار میں رہتا ہے۔[1]

[54] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ وَقَدْ خَطَبَ النَّاسَ بِالْمَدِيْنَةِ: اَمَا وَالَّذِىْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاَ النَّسَمَةَ! لَوِ اقْتَبَسْتُمُ الْعِلْمَ مِنْ مَّعْدِنِهٖ، وَ شَرِبْتُمُ الْمَآءَ بِعُذُوْبَتِهٖ، وَاَدَّخَرْتُمُ الْخَيْرَ مِنْ مَّوْضِعِهٖ، وَاَخَذْتُمُ الطَّرِيْقَ مِنْ وَّاضِحِهٖ، وَ سَلَكْتُمْ مِنَ الْحَقِّ نَهْجَهٗ، لَنَهَجَتْ بِكُمُ السُّبُلُ، وَ بَدَتْ لَكُمُ الْاَعْلَامُ ، وَاَضَاءَ لَكُمُ الْاِسْلَامُ۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے مدینہ میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا: آگاہ ہوجاؤ! قسم اس پروردگار کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے اور ذی روح کو پیدا کیا ہے! اگر تم لوگ علم کو اس کے معدن سے حاصل کرتے اور پانی کو اس کی شیرنی کے ساتھ پیتے اور خیر کا ذخیرہ اس کے مرکز سے حاصل کرتے اور واضح راستہ کو اختیار کرتے اور حق کے منہاج پر گامزن ہوتے تو تمہیں صحیح راستہ مل جاتا اور نشانیاں واضح ہوجاتیں اور اسلام روشن ہوجاتا۔[2]

[55] اَلْاِمَامُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا نَدْرِىْ مَا تَنْقِمُ النَّاسُ مِنَّا! اِنَّا لَبَيْتُ الرَّحْمَةِ، وَ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ، وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ لوگ ہم سے کس بات پر عداوت رکھتے ہیں جبکہ ہم رحمت کا گھر، نبوت کا شجر اور علم کی کان ہیں۔[3]

[56] اَلْاِمَامُ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا يَنْقِمُ النَّاسُ مِنَّا؟! فَنَحْنُ وَاللّٰهِ! شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ، وَ بَيْتُ الرَّحْمَةِ، وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ، وَ مُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۰۹۔

[2] الکافی، ج ۸، ص ۳۲، حدیث ۵۔

[3] نزہۃ الناظرۃ، ص ۸۵، حدیث ۲۱۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: لوگ ہم سے کسی بات کا انتقام لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! ہم تو نبوت کا شجرہ، رحمت کا گھر، حلم کی کان اور ملائکہ کی آمدورفت کے مرکز ہیں۔[1]

[57] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْعِلْمَ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَ سُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لَيَنْبُتُ فِيْ قَلْبِ مَهْدِيِّنَا كَمَا يَنْبُتُ الزَّرْعُ عَلٰى اَحْسَنِ نَبَاتِهٖ. فَمَنْ بَقِيَ مِنْكُمْ حَتّٰى يَرَاهُ فَلْيَقُلْ حِيْنَ يَرَاهُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ بَيْتِ الرَّحْمَةِ وَ النُّبُوَّةِ. وَ مَعْدِنَ الْعِلْمِ. وَ مَوْضِعَ الرِّسَالَةِ۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: کتاب خدا اور سنت پیغمبر کا علم ہمارے مہدی علیہ السلام کے دل میں اس طرح ظاہر ہوگا، جس طرح بہترین زمین پر زراعت کا ظہور ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی اس وقت تک باقی رہ جائے اور ان سے ملاقات کرے وہ انہیں یوں سلام کرے: سلام ہو آپؑ پر اے اہلبیتؑ رحمت و نبوت و معدن علم و مرکز رسالت!۔[2]

[58] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: شَجَرَةٌ اَصْلُهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. وَ فَرْعُهَا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ. وَاَغْصَانُهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهَا السَّلَامُ. وَ ثَمَرَتُهَا الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. فَاِنَّهَا شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ. وَنَبْتُ الرَّحْمَةِ. وَ مِفْتَاحُ الْحِكْمَةِ. وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ. وَ مَوْضِعُ الرِّسَالَةِ. وَ مُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ. وَ مَوْضِعُ سِرِّ اللهِ وَ وَدِيْعَتِهٖ. وَ الْاَمَانَةُ الَّتِيْ عُرِضَتْ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَ حَرَمُ اللهِ الْاَكْبَرُ. وَ بَيْتُ اللهِ الْعَتِيْقُ وَ حَرَمُهٗ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے: وہ درخت جس کی جڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور شاخ امیر المومنینؑ، ڈالی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں اور پھل امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام، یہ نبوت کا شجر اور رحمت کی پیداوار ہے، یہ سب حکمت کی کنجی، علم کا معدن، رسالت کا مرکز، ملائکہ کی منزل، اسرار الٰہیہ کے امانتدار، امانت پروردگار کے حامل، خدا کے حرم اکبر اور اس کے بیت العتیق اور حرم ہیں۔[3]

[59] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۱، حدیث ۱۔ نزہۃ الناظرۃ، ص ۸۵، حدیث ۲۱۔

[2] کمال الدین، ص ۶۰۳، حدیث ۱۸۔

[3] الیقین، ص ۳۱۸۔ تفسیر فرات کوفی، ص ۳۹۵، حدیث ۵۲۷۔

صَلّٰی، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ، شَجَرَۃِ النُّبُوَّۃِ، وَ مَوْضِعِ الرِّسَالَۃِ، وَ مُخْتَلَفِ الْمَلٰٓئِکَۃِ، وَمَعْدِنِ الْعِلْمِ، وَ اَھْلِ بَیْتِ الْوَحْیِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام زوال آفتاب کے بعد نماز ادا کر کے دُعا مانگتے اور پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یوں درود پڑھتے تھے: خدایا! محمد وآل محمد علیہم السلام پر رحمت نازل فرما جو نبوت کا شجر، رسالت کا مرکز، ملائکہ کی منزل، علم کی کان اور وحی کا گھرانہ ہیں۔[1]

۸۔ زندگانی علم:

[60] اَلْاِمَامُ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ مِنْ خُطْبَۃٍ لَّہٗ یَذْکُرُ فِیْھَا اٰلَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ۔: ھُمْ عَیْشُ الْعِلْمِ، وَ مَوْتُ الْجَھْلِ، یُخْبِرُکُمْ حِلْمُھُمْ عَنْ عِلْمِھِمْ، وَ ظَاھِرُھُمْ عَنْ بَاطِنِھِمْ، وَ صَمْتُھُمْ عَنْ حُکْمِ مَنْطِقِھِمْ، لَا یُخَالِفُوْنَ الْحَقَّ وَ لَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے آل محمد علیہم السلام کے صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ حضراتؑ، علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں۔ ان کا حلم ان کے علم کی خبر دے گا اور ان کا ظاہر ان کے باطن کے بارے میں بتائے گا اور ان کی خاموشی ان کے نطق کی حکمت کی دلیل ہے۔ یہ نہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔[2]

[61] عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ: وَ اعْلَمُوْا اَنَّکُمْ لَنْ تَعْرِفُوا الرُّشْدَ حَتّٰی تَعْرِفُوا الَّذِیْ تَرَکَہٗ، وَ لَنْ تَاْخُذُوْا بِمِیْثَاقِ الْکِتَابِ حَتّٰی تَعْرِفُوا الَّذِیْ نَقَضَہٗ، وَ لَنْ تَمَسَّکُوْا بِہٖ حَتّٰی تَعْرِفُوا الَّذِیْ نَبَذَہٗ، فَالْتَمِسُوْا ذٰلِکَ مِنْ عِنْدِ اَھْلِہٖ، فَاِنَّھُمْ عَیْشُ الْعِلْمِ وَ مَوْتُ الْجَھْلِ، ھُمُ الَّذِیْنَ یُخْبِرُکُمْ حُکْمُھُمْ عَنْ عِلْمِھِمْ، وَ صَمْتُھُمْ عَنْ مَّنْطِقِھِمْ، وَ ظَاھِرُھُمْ عَنْ بَاطِنِھِمْ، لَا یُخَالِفُوْنَ الدِّیْنَ وَ لَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ، فَھُوَ بَیْنَھُمْ شَاھِدٌ صَادِقٌ، وَ صَامِتٌ نَّاطِقٌ۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: یاد رکھو کہ تم ہدایت کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے ہو، جب تک اسے چھوڑنے والوں کو نہ پہچان لو اور میثاق کتاب کو اس وقت تک اختیار نہیں کر سکتے ہو جب تک اس عہد

---

[1] جمال الاسبوع، ص ۲۵۰۔ مصباح المتہجد، ص ۳۶۱۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۳۹۔ تحف العقول، ص ۲۲۔

کے توڑنے والوں کو نہ پہچان لو اور اس سے متمسک نہیں ہو سکتے ہو جب تک نظر انداز کرنے والوں کی معرفت نہ حاصل کر لو، لہٰذا ہدایت کو اس کے اہل سے حاصل کرو کہ یہی لوگ علم کی زندگی ہیں اور جہالت کی موت۔ یہی وہ ہیں جن کا حکم ان کے علم کی خبر دے گا اور ان کی خاموشی ان کے تکلم کا پتہ دے گی۔ ان کا ظاہر ان کے باطن کی بہترین دلیل ہے۔ یہ نہ دین کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ یہ دین ان کے درمیان ایک سچا گواہ اور ایک خاموش ترجمان ہے۔[1]

*****

خطبہ شعبانیہ سے اقتباس

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو! اللہ کا مہینہ اپنی برکتوں، رحمتوں اور مغفرتوں کو لے کر تمہاری کی طرف آ رہا ہے۔ یہ مہینہ اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے برتر ہے۔ اس کے ایام دوسرے ایام سے، اس کی راتیں دوسری راتوں سے اور اس کے لمحات دوسرے لمحات سے برتر ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں تم لوگوں کو اللہ کے ہاں دعوت دی گئی ہے اور تم لوگ ان میں سے قرار پائے ہو جو بارگاہ رب العزت میں مشمول اکرام واقع ہوتے ہیں۔ اس مہینہ میں تمہاری سانسیں اللہ کی تسبیح، نیند عبادت، اعمال قبول اور دعائیں مستجاب ہیں۔ بنابریں خالص نیتوں اور پاک دلوں سے اللہ سے چاہو کہ تمہیں روزہ رکھنے اور اس مہینہ میں قرآن کی تلاوت کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ اس لئے کہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس مہینہ میں اللہ کی مغفرت سے محروم رہ جائے۔ اس مہینہ کی بھوک اور پیاس سے قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو، فقیروں اور بے سہارا لوگوں پر بخشش کرو، بوڑھوں کا اکرام کرو اور چھوٹوں پر رحم کرو۔۔۔

(وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۲۶۔۲۲۸)

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۴۷۔ الکافی، ج ۸، ص ۳۹۰، حدیث ۵۸۶۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام[1]

از: علامہ سیّد علی نقی نقوی (نقن)

نام ونسب

''محمد'' نام، ''ابوجعفر'' کنیت اور ''تقی'' و ''جواد'' دونوں مشہور لقب تھے، اسی لئے اسم ولقب کو شریک کر کے آپؑ امام محمد تقی علیہ السلام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چونکہ آپؑ سے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی کنیت ''ابوجعفر'' ہو چکی تھی، اس لئے کتب میں آپؑ کو ''ابوجعفر ثانی'' اور دوسرے لقب کو سامنے رکھ کر حضرت جواد علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ آپؑ کے والد بزرگوار حضرت امام رضا علیہ السلام تھے اور والدہ معظّمہ کا نام جناب ''سبیکہ'' یا ''سکینہ'' سلام اللہ علیہا تھا۔

ولادتِ باسعادت

۱۰ رجب ۱۹۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت بغداد کے دارلسلطنت میں ہارون رشید کا بیٹا امین تخت حکومت پر تھا۔

نشونما اور تربیت

یہ ایک حسرت ناک واقعہ ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانے میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جانا پڑا۔ آپؑ کو بہت کم ہی اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت، شفقت اور تربیت کے سائے میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپؑ کو صرف پانچواں

---

[1] نقل از کتاب: ''راہنمایانِ اسلام''، تالیف: علامہ سیّد علی نقی نقن (قدس سرہ الشریف)۔

برس تھا جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ہوگئی۔ دنیا سمجھتی ہوگی کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کیلئے علمی و عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اس لئے اب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ، حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور سب کو قائل ہوجاتے دیکھا۔ اس کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی، جب تک وہ مادی اسباب کی بجائے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے، جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہوسکتا ہے۔

عراق کا پہلا سفر

جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو مامون نے ولی عہد بنایا اور اس کی سیاست اس کی مقتضی ہوئی کہ بنی عباس کو چھوڑ کر بنی فاطمہؑ سے روابط قائم کئے جائیں اور اس طرح شیعیان اہل بیتؑ کو اپنی جانب مائل کیا جائے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ خلوص و اتحاد کے مظاہرے کیلئے علاوہ اس قدیم رشتے کے جو ہاشمی خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے ہے، کچھ جدید رشتوں کی بنیاد بھی قائم کردی جائے۔ چنانچہ اسی جلسہ میں جہاں ولی عہدی کی رسم ادا کی گئی، اس نے اپنی بہن اُمّ حبیبہ کا عقد امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کیا اور اپنی بیٹی اُمّ الفضل کی نسبت کا حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اعلان کیا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت امام رضا علیہ السلام بالکل اپنے بنائے جاسکیں گے مگر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ اپنے ان منصبی فرائض کو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہونے کی بنا پر ان کے ذمہ ہیں، کسی قیمت پر چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتے اور اب عباسی سلطنت کا رکن ہونے کے ساتھ ان اصول پر قائم رہنا، مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے تو اسے اپنے مفاد سلطنت کی تحفظ خاطر اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ زہر دے کر حضرتؑ کی زندگی کا خاتمہ کردے مگر وہ مصلحت جو امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانے کی تھی یعنی ایرانی قوم اور جماعتِ شیعہ کو اپنے قبضے میں رکھنا، وہ اب بھی باقی

تھی اس لئے ایک طرف تو حضرت امام رضا علیہ السلام کے انتقال پر اس نے غیر معمولی رنج وغم کا اظہار کیا تا کہ وہ اپنے دامن کو حضرت علیہ السلام کے خون ناحق سے الگ ثابت کر سکے اور دوسری طرف اس نے اپنے اعلان کی تکمیل ضروری سمجھی کہ جو وہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی سے منسوب کرنے کا کر چکا تھا، اس نے اس مقصد سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے عراق کی طرف بلوایا۔ اس لئے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ خراسان سے اب اپنے خاندان کے پرانے دارالسلطنت بغداد میں آچکا تھا اور اس نے یہ تہیہ کرلیا کہ وہ اُمّ الفضل کا عقد اس صاحبزادے کے ساتھ بہت جلد کر دے گا۔

علماء سے مناظرہ

بنی عباس کو مامون کی طرف سے حضرت امام رضا علیہ السلام کا ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابل برداشت تھا، امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے ایک حد تک انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انہوں نے مامون سے اپنے حسبِ دلخواہ اس کے بھائی موتمن کی ولی عہدی کا اعلان بھی کرادیا جو بعد میں معتصم باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس تبدیل ہوکر سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا، اسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی، تا کہ بنی عباس کے قدیم روایات محفوظ رہیں۔

یہ باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں، مگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنا داماد بنائے گا، ان لوگوں کیلئے پھر تشویش کا باعث بنا۔ اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا علیہ السلام کے ساتھ جو آپ نے طریقہ کار استعمال کیا وہی ہم کو ناپسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنی عمر اور اوصاف وکمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جا سکتے ہیں مگر ان کے بیٹے محمد (تقی) علیہ السلام تو ابھی بالکل کم سن ہیں۔ ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کیلئے زیبا نہیں ہے۔ پھر اُم حبیبہ کا نکاح جو امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جواب اُمّ الفضل کا نکاح محمد ابن علی علیہ السلام کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے اس تمام تقریر کا یہ جواب دیا کہ: محمد (تقی) علیہ السلام کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خوب اندازہ کرلیا ہے، اوصاف وکمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو علم میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا۔ یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی، حالانکہ خود مامون تمام سلاطینِ بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مؤرخین اس کیلئے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں: کَانَ یُعَدُّ مِنْ کِبَارِ الْفُقَهَاءِ یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفاء نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ بن اکثم کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے بحث کیلئے منتخب کیا۔

مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرے کیلئے منعقد کیا اور عام اعلان کرادیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہوگیا جس میں ایک طرف ایک آٹھ برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودکار اور شہرۂ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہوگیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسے میں نوسو کرسیاں فقط علماء و فضلاء کیلئے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں۔ اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زریں دور تھا اور بغداد دار السلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کھنچ کر جمع ہوگئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کیلئے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت علیہ السلام کے سامنے یحییٰ ابن اکثم کیلئے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم وگوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہوکر کہا تھا: حضور! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابوجعفر علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کروں؟

مامون نے کہا: تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔

یحییٰ امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا آپؑ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپؑ سے کچھ دریافت کروں؟

آپؑ نے فرمایا: ''تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو''۔

یحییٰ نے پوچھا کہ: حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا۔ وہ اپنے غرور علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کمسن صاحبزادے تو ہیں ہی، روزمرہ کے روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں، مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی، جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیئے ہوئے آپؑ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہو گیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا۔

آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ: ''تمہارا سوال بالکل مبہم اور مجمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل میں تھا یا حرم میں؟ شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا ناواقف؟ اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا؟ وہ شخص آزاد تھا یا غلام؟ کمسن تھا یا بالغ؟ پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا؟ شکار پرند کا تھا یا کوئی اور؟ چھوٹا یا بڑا؟ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے؟ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے شکار کیا یا دن دہاڑے اور علانیہ؟ احرام، عمرہ کا تھا یا حج کا؟ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلہ کا کوئی ایک معین حکم نہیں بتایا جا سکتا''۔

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر بھی تھی۔ وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لئے آسان نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور

حضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ پھر آپؑ ہی ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے، تا کہ سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرمائے۔

یحییٰ ہکا بکا امام علیہ السلام کا منہ دیکھ رہا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ اتمام حجت کو انتہائی درجے تک پہنچا دے۔ اس لئے اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر مناسب معلوم ہو تو آپؑ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ اس پر حضرت علیہ السلام نے اخلاقاً یحییٰ سے یہ دریافت کیا کہ: ''کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں''؟ یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ تھا، اپنا اور امام علیہ السلام کا درجہ اسے خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے طرز گفتگو اس کا اب دوسرا ہی تھا۔ اس نے کہا کہ حضورؑ! دریافت فرمائیں، اگر مجھے معلوم ہوگا تو عرض کر دوں گا ورنہ خود حضورؑ ہی سے معلوم کر لوں گا۔

حضرت علیہ السلام نے سوال کیا، جس کے جواب میں یحییٰ نے کھلے الفاظ میں اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور پھر امامؑ نے خود اس سوال کا حل فرما دیا۔ مامون کو اپنی بات کے بالا رہنے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا: دیکھوں میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ: بے شک جو آپ کی رائے ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابو جعفر محمد ابن علی علیہ السلام کا کوئی مثل نہیں ہے۔ مامون نے اس کے بعد ذرا بھی تاخیر مناسب نہیں سمجھی اور اسی جلسے میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اُمّ الفضل کا عقد کر دیا۔ نکاح کے موقع پر جو خطبہ ہمارے یہاں عموماً پڑھا جاتا ہے وہی ہے جو کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اس عقد کے موقع پر اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا۔ یہی بطور یادگار نکاح کے موقع پر باقی رکھا گیا ہے۔ مامون نے اس شادی کی خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپیہ خیر و خیرات میں تقسیم کیا گیا اور تمام رعایا کو انعامات و عطیات کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

مدینہ کی طرف واپسی

آپؑ شادی کے بعد تقریباً ایک سال تک بغداد میں مقیم رہے۔ اس کے بعد مامون نے بہت اہتمام کے ساتھ اُمّ الفضل کو حضرت علیہ السلام کے ساتھ رخصت کر دیا اور امام علیہ السلام مدینہ میں واپس تشریف لائے۔

اخلاق واوصاف

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اخلاق واصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر تھے جس کی تکمیل رسولؐ اور آل رسولؐ کا طرۂ امتیاز تھی کہ ہر ایک سے جھک کر ملنا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا، مساوات اور سادگی کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا اور دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا، مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی اور مذہبی پیاسوں کیلئے فیض کے چشموں کا جاری رکھنا، آپؑ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے اس سلسلہ عصمت کے دوسرے افراد کا تھا جس کے حالات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

اہل دنیا کو جو آپؑ کے بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے، انہیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا یقیناً اس کے چال ڈھال طور طریقے کو بدل دے گا اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کا آلِ رسولؐ کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا، جتنا ان کے صفات سے وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کیلئے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ۔ فقط ظاہری شکل وصورت میں ایک کا اندازہ معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے روپ میں تھا۔ مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں میں ایک تھ۔ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپؑ کو زہر کے ذریعے سے ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا گیا۔ اب مامون کے نقطۂ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا علیہ السلام کا جانشین تقریباً آٹھ برس کا بچہ ہے جو

تین برس سے پہلے باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچے کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومتِ وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے، ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا۔ مامون امام رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا۔ اس لئے کہ امام رضا علیہ السلام کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی۔ اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوتی تو یہ ضروری نہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جو آٹھ برس کے سن میں قصر حکومت میں نشو نما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے، اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا۔ مگر دنیا تو حیران ہوگئی جب یہ دیکھا کہ وہ آٹھ برس کا بچہ جسے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے، اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل شاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔

اس سے بھی امام علیہ السلام کی مستحکم قوتِ ارادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے۔ مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت دینے پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے با اقتدار کیلئے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنا پڑی اور امام علیہ السلام مع اُمّ الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی انداز رہا جو اس کے بعد پہلے تھا۔ نہ پہرے دار، نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک و احتشام، نہ اوقاتِ ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق۔ زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرات ان کی وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویان، حدیث دریافت کرتے تھے، طالب علم مسائل پوچھتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ

جعفر صادق علیہ السلام ہی کا جانشین ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔

امور خانہ داری اور ازواجی زندگی میں آپؑ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا تھا ان ہی حدود میں آپؑ نے اُمّ الفضل کو رکھا۔ آپؑ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی کہ آپؑ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہیں۔ چنانچہ اُمّ الفضل کے ہوتے آپؑ نے حضرت عمار یاسرؓ کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی کیا اور قدرت کو نسلِ امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھا۔ یہی امام علی نقی علیہ السلام کی ماں ہوئیں۔ اُمّ الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کیلئے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا۔ مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا۔ اس نے اُمّ الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابوجعفر علیہ السلام کے ساتھ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلالِ خدا کو حرام کردوں۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی بااحترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا۔ جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کیلئے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لئے کہ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے، اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آلِ محمدؐ محافظ تھے۔ اس لئے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔

تبلیغ و ہدایت

آپؑ کی تقریر بہت دلکش اور پُرتاثیر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ زمانہ حج میں مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہوکر آپ علیہ السلام نے احکام شرعی کی تبلیغ فرمائی تو بڑے بڑے علماء دم بخود رہ گئے اور انہیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم نے ایسی جامع تقریر کبھی نہیں سنی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر توقف کرتا تھا۔ یعنی آپؑ کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا اور اسی لئے ''واقفیہ'' کہلاتا تھا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے کردار میں اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدے سے تائب ہوگئے اور آپؑ کے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص ایسا

باقی نہ رہ گیا جو اس مسلک کا حامی ہو۔ بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپؑ سے علوم اہل بیتؑ کی تعلیم حاصل کی۔ آپؑ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپؑ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ الٰہیات اور توحید کے متعلق آپؑ کے بعض بلند پایہ خطبے بھی موجود ہیں۔

عراق کا آخری سفر

۲۱۸ ہجری میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور اُمّ الفضل کا چچا موتمن جو حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعد ولی عہد بنایا جا چکا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھتے ہی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے متعلق اُمّ الفضل کے اس طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی جس طرح کہ اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے چونکہ تمام بنی عباس کی مخالفتوں کے بعد بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اس لئے اپنی بات کی پچ اور کئے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں کی، بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بند کر دی تھی۔ مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا داغ اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا۔ اب اُمّ الفضل کے شکایتی خطوں کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا، حق بجانب ثابت کرنا تھا، پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی مرجعیت، آپؑ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا، وہ بنائے مخاصمت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقی علیہ السلام کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے، یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کیلئے آمادہ ہو گیا اور اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد کی طرف بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبدالمالک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا۔ مجبوراً حضرت امام

محمد تقی علیہ السلام اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

شہادت

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتصم نے بظاہر آپؑ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی مگر آپؑ کا یہاں کا قیام خود ہی ایک جبری حیثیت رکھتا تھا جسے نظر بندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جا چکا تھا، آپؑ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور ۲۹ ذی القعدہ ۲۲۰ ہجری میں زہر سے آپؑ کی شہادت ہوئی اور اپنے جد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس دفن ہوئے۔ آپؑ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے سے اس شہر کا نام ''کاظمین'' (دو کاظم یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے) مشہور ہوا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لقب کو صراحتاً سامنے رکھا گیا جبکہ موجودہ زمانے میں اسٹیشن کا نام ''جوادین'' (دو جواد المعنی فیاض) درج ہے جس میں صراحتاً حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لقب کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چونکہ آپؑ کا لقب ''تقی'' بھی تھا اور ''جواد'' بھی۔

رضوی سید

عمومی طور پر سادات رضوی، تقوی ہیں۔ یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ امام رضا علیہ السلام کی شخصی شہرت سلطنتِ عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی، اس لئے امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد کا حضرت امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور ''رضوی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

✲✲✲✲✲

قسط:18

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

بارہویں حدیث:

بِسَنَدِیَ الْمُتَّصِلِ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوْبَ. رِضْوَانُ اللهِ عَلَیْهِ. عن عَلِیِّ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّوْفَلِیِّ عَنِ السَّکُوْنِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ (ع) قَالَ:

کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ع) یَقُوْلُ:

نَبِّهْ بِالتَّفَکُّرِ قَلْبَکَ وَ جَافِ عَنِ اللَّیْلِ جَنْبَکَ وَ اتَّقِ اللهَ رَبَّکَ۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''اپنے دل کو تفکر کے ذریعے آگاہ کرو، اپنے پہلو کو رات (بستر) سے دور کرو اور اپنے خدا سے ڈرو!''۔

شرح:

''کَانَ یَقُوْلُ'' کا مفہوم ''قَالَ'' اور ''یَقُوْلُ'' کے علاوہ ہے۔ ''کَانَ یَقُوْلُ'' سے استمرار و دوام سمجھ میں آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت علی علیہ السلام مکرر یہ فرمایا کرتے تھے۔

''تنبیہ'' کا مطلب غفلت سے آگاہ کرنا اور خواب سے بیدار کرنا ہے۔ اس حدیث میں دونوں معنی مناسب ہیں۔ اس لئے کہ دل تفکر سے پہلے غفلت سے پُر اور خواب میں ہوتے ہیں، لیکن تفکر کے ذریعے

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۵۴، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۱۔

غفلت سے ہوشیار اور خواب سے بیدار ہو جاتے ہیں اور ملک بدن کے خواب و بیداری اور غفلت و ہوشیاری اور ملکوت نفس کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات چشم ظاہر بیدار اور ملک ظاہر کا پہلو ہوشیار ہوتا ہے اور چشم بصیرت و باطن، خواب گراں میں اور ملکوت نفس کا پہلو غفلت و بیہوشی میں ہوتا ہے۔

''تفکر'' کے معنی فکر کو کام میں لانا ہے۔ یعنی امور معلومہ کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ امر مجہول، معلوم ہو جائے اور یہ تفکّر عام طور پر مقامات سالکین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ خواجہ انصار[1] ی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

اِعْلَمْ اَنَّ التَّفَکُّرَ تَلْمُسُ الْبَصِیْرَۃِ لِاسْتِدْرَاکِ الْبُغْیَۃِ۔

جان لو کہ تفکّر کا مطلب ہے: بصیرت قلب اور چشم ملکوت کا اپنے مطلوب کے ادراک کیلئے جستجو کرنا۔[2]

اور (سب ہی کو) معلوم ہے کہ قلوب کا مقصود معارف ہوا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس حدیث میں بھی ''تفکر'' سے مراد ایک خاص معنی ہے جو دلوں اور ان کی زندگی سے متعلق ہے۔

''قلب'' کے مفاہیم اور اصطلاحات بے شمار ہیں۔ (مثلاً): اطباء اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا اطلاق گوشت کے اس ٹکڑے پر ہوتا ہے جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور جس کے سکڑنے اور کھلنے سے رگوں میں خون دوڑتا ہے اور ان کے اندر روح حیوانی ایک بخار لطیف پیدا کرتا ہے۔ حکماء کے نزدیک نفس کے بعض مقامات کو دل کہا جاتا ہے۔ اصحاب عرفان وطریق اس کیلئے مراتب و مقامات کے قائل ہیں۔ ان کی اصطلاحات میں غور کرنا (ہمارے) مقصد سے خارج ہے۔

قرآن واحادیث میں مختلف مقامات پر ان متداول معانی میں استعمال ہوا ہے جو عام وخواص کے درمیان رائج ہیں۔ چنانچہ آیہ مجیدہ ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾[3]: میں

---

[1] خواجہ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی (۳۹۶۔۴۸۱) اکابر محدثین اور عرفا میں سے ہیں جو شیخ ابوالحسن خرقانی کے مرید تھے اور آپ کے جانشین بنے۔ ان کی کتابوں میں منازل السائرین، زادالعارفین اور رسالہ دل وجان معروف ہیں۔

[2] منازل السائرین، ج ۱۳، قسم البدایات، باب تفکر۔

[3] سورۂ احزاب، آیت ۱۰۔ ''اس وقت جب دہشت سے نگاہیں خیرہ کرنے لگیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے''۔

اطباء والے معنی میں استعمال ہوا ہے، ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا﴾[1] میں حکماء کے یہاں جو معنی مشہور ہیں اس میں استعمال ہوا ہے اور آیہ شریفہ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾[2] میں اصطلاح عرفاء کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے اور اس حدیث شریف میں تفکّر کی مناسبت سے وہ معنی مقصود ہے جو حکماء کے درمیان رائج ہے۔ واضح رہے کہ قلب، عرفاء کی اصطلاح کے اعتبار سے تفکّر کے معنی سے مناسبت نہیں رکھتا، خصوصاً بعض مراتب کے اعتبار سے تو بالکل ہی نامناسب ہے، جیسا کہ اہل اصطلاح جانتے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں ''جَافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ'' جملے میں ''جَفَا'' کے معنی ''بَعُدَ'' (دور ہوا) کے ہیں اور ''جَافَاهُ عَنْهُ، فَتَجَافَا جَنْبُهُ عَنِ الْفِرَاشِ'' کا معنی اچٹ جانا ہے۔ جیسا کہ صحاح (جوہری) میں ہے اور ''مجافاة'' کے معنی رات کی طرف نسبت دینے کے ہیں اور اس حدیث میں ''مجاز در اسناد'' ہے یا پھر رات کو ''اِدْعَاءً'' بستر قرار دیا ہے یا پھر ''حقیقت در کلمہ اور اسناد'' ہے اور فرق صرف ارادۂ جدّی و استعمالی میں ہے۔ جیسا کہ (خود) مطلق مجازات میں (علماء نے) احتمال دیا ہے۔ شیخ فقیہ واصولی وادیب آقا شیخ محمد رضا اصفہانیؒ نے ''جلیۃ الحال'' میں اس بارے میں کافی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔[3]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ رات کو عبادت کیلئے بستر سے اٹھنے کیلئے کنایہ ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ تقویٰ اور اس کے مراتب کا بیان ہوگا اور ہم ان شاء اللہ چند فصول کے ضمن میں اس حدیث شریف کی مناسبات کا ذکر کریں گے۔

پہلی فصل: فضیلتِ تفکر کا بیان

یہ جان لو کہ تفکر کی بہت فضیلت ہے۔ تفکر ابواب معارف کی کنجی ہے اور کمالات وعلوم کے خزانوں کی کلید ہے۔ سلوک انسانیت کی یقینی اور لازمی تمہید ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کی بھرپور تمجید وتعریف کی گئی ہے۔ غور وفکر نہ کرنے والوں کو جھٹلایا گیا ہے اور ان پر طعنہ زنی کی گئی ہے۔

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۷۹۔ ترجمہ: ''ان کے دل تو ہیں مگر (کچھ) سمجھتے نہیں ہیں''۔

[2] سورۂ ق، آیت ۳۷۔ ترجمہ: ''اس میں شک نہیں کہ جو شخص (آگاہ) دل رکھتا ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے سنتا ہے اس کیلئے اس میں کافی نصیحت ہے، جبکہ وہ شاہد اور آگاہ ہے''۔

[3] مزید اطلاع کیلئے تہذیب الاصول (تقریرات امام خمینیؒ)، ج ۱، ص ۳۰، بحث حقیقت ومجاز کی طرف رجوع کیجئے۔

کافی شریف میں اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اَفْضَلُ العِبَادَةِ اِدْمَانُ التَّفَكُّرِ فِي اللهِ وَفِي قُدْرَتِهِ۔

خداوند عالم کی قدرت کے بارے میں سوچتے رہنا بہترین عبادت ہے۔[1]

واضح رہے کہ آگے چل کر اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ایک ساعت کے تفکر کو ایک شب کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

عَنِ الْحَسَنِ الصَّيْقَلِ قَالَ: سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ(ع) عَمَّا يَرْوِي النَّاسُ:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ. قُلْتُ: يَتَفَكَّرُ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ

لَيْلَةٍ. قَالَ نَعَمْ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ص) تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ۔

حسن صیقل کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: (مولا!) یہ جو لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ایک رات کی عبادت سے افضل ہے، کیا ایک ساعت غور و فکر کرنا ایک رات کی عبادت سے افضل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: ''ایک گھنٹہ غور و فکر کرنا ایک رات کی عبادت سے افضل ہے''۔[2]

اسی طرح ایک حدیث نبویؐ میں ارشاد ہے:

فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔

ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[3]

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔

ایک گھنٹے کا تفکر ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے۔[4]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۵۵، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۳۔

[2] بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۲۵، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۱۶۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۵۴، حدیث ۲۔

[3] عوالی اللئالی، ج ۲، ص ۵۷، المسلک الرابع، حدیث ۱۵۲۔ مصباح الشریعۃ و مفتاح الحقیقۃ، ص ۱۷۱، باب ۲۶۔

[4] بحار الانوار، ج ۶۶، ص ۲۹۴۔ نیز طریحی نے مجمع البیان میں لفظ ''فکر'' کے باب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

ایک اور روایت میں تفکر کو ستر (۷۰) سال کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً۔

ایک گھنٹے کا تفکر ستر سالوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور بعض علمائے فقہ و حدیث نے ہزار سال کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ بہر صورت تفکر کے مختلف مراتب و درجات ہیں اور ہر مرتبے کیلئے نتیجہ یا نتائج ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے:

اوّل خدا کے اسماء و صفات و کمالات کے بارے میں غور و فکر! اور اس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ کے وجود اور اس کی تجلیات کا علم ہے جس سے اعیان و مظاہر کا علم حاصل ہوتا ہے جو فکر کا سب سے افضل اور علوم کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور برہان کا سب سے مضبوط درجہ ہے، کیونکہ ذات علت اور سبب مطلق میں غور کرنے سے خدا کا علم اور مسببات و معلومات کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ قلوب صدیقین کا نقشہ تجلیات ہے۔ اس لئے اس کو ''برہان صدیقین'' کہا جاتا ہے، کیونکہ صدیقین مشاہدہ ذات سے اسماء و صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسماء کے آئینے میں اعیان و مظاہر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور برہان کی اس قسم کو ''برہان صدیقین'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی صدیق اپنے مشاہدات کو بصورت برہان لانا چاہے اور اپنے ذوق و شہود میں جو پایا ہے اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو اسی طرح ہوگا۔ یہ مطلب (ہرگز) نہیں ہے کہ جو بھی اس برہان سے ذات اور اس کی تجلیات کا علم حاصل کرلے وہ صدیقین میں سے ہے۔ یا یہ کہ صدیقین کے معارف براہین کی قسم کے ہیں۔ (ہاں! اگر براہین کو فرض بھی کیا جائے تو وہ) مخصوص قسم کے براہین ہیں۔ افسوس ان کے علوم از قسم تفکر نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے مشاہدات کی برہان و مقدمات برہان سے کوئی مشابہت ہے۔ جب تک قلب برہان کے حجاب میں رہتا ہے اور اس کا قدم قدم تفکر ہوتا ہے (اس وقت تک وہ) صدیقین کے اول درجہ تک نہیں پہنچا ہوتا۔

مگر جب وہ علم و برہان کے دبیز پردے سے نکل آتا ہے اور تفکر سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تو کسی برہان کے واسطے کے بغیر بلکہ کسی مخلوق کے واسطہ کے بغیر انجام کار اور انتہائے سلوک میں جمیل مطلق کے جمال کا مشاہدہ کرنے لگے گا اور دائمی و سرمدی لذت تک پہنچ جائے گا۔ دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرلے گا

اور رقبہ کبریائی کے نیچے فنائے کلی کے ساتھ باقی رہ جائے گا۔ اس کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا اور وہ مجہول مطلق ہوجائے گا۔ مگر یہ کہ حق کا لطف وکرم اس کے شامل حال ہوجائے اور (خدا) اس کو اس کی اپنی مملکت اور ممالک وجود میں وجود ذات اور وسعت کی مقدار کے اعتبار سے ثابت کردے اور اس رجوع میں جلال وجمال کے سبحات اس کیلئے ظاہر ہوجائیں اور وہ آئینہ ذات میں اسماء وصفات کا مشاہدہ کرنے لگے جس کے بعد اپنی ثابت (شکل) اور اپنے سایۂ حمایت میں پائی جانے والی چیزوں کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیز مظاہر کی کیفیت سلوک اور ظاہر کی طرف رجوع اس کے دل پر کشف ہونے لگے، تب وہ لباس نبوت سے نوازا جاتا ہے اور اسی جگہ انبیاء اور رسولوں کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوجاتا ہے اور دائرہ رسالت کی وسعت وتنگی اور (پیغمبری پر) مبعوث کرنے والی ذات (خدا) کی حقیقت اور جن کی طرف (پیغمبر) مبعوث ہوتے ہیں (مخلوق) ان کی حقیقت ان کیلئے اس مقام پر منکشف ہوجاتی ہے۔

اس مقام پر مزید تفصیل اس کتاب کے مناسب نہیں ہے اس لئے اس کے بعد برہان صدیقین سے بھی صرف نظر کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کی کچھ تمہیدات ہیں جن کی تشریح طوالت کا باعث بنے گی۔

تتمیم: خدا کے بارے میں جائز وناجائز تفکر

یہ بات سمجھ لیجئے کہ ہم نے جو کہا ہے کہ ذات، اسماء وصفات کے بارے میں تفکر کرنا چاہیے، ہوسکتا ہے جاہل گمان کرے کہ حسب روایات ذات میں (تو) تفکر ممنوع ہے!۔ مگر یہ گمان کرنے والا ''دراصل'' یہ نہیں جانتا کہ جو تفکر ممنوع ہے وہ کنہ ذات اور اس کی کیفیت کے بارے میں ہے جیسا کہ روایات واحادیث شریفہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور کبھی تو (آئمہ طاہرینؑ نے) نااہل کو بھی بعض معارف میں غور وفکر سے روک دیا ہے، کیونکہ اس کی تمہیدات بہت گہری ہوتی ہیں۔ چنانچہ حکماء بھی ان دونوں مقامات کے بارے میں اسی رائے کے حق میں ہیں۔ کنہ ذات کے بارے میں استحالہ ان کی کتابوں میں دلائل وبراہین سے ثابت ہے[1] اور اس میں غور وفکر کی ممانعت سب ہی کے نزدیک مسلّم ہے، لیکن ان علوم کی طرف رغبت کی شرائط اور نااہل کو ان کی تعلیم سے ممانعت بھی ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کی تاکید ان کی کتابوں کے اوائل یا اواخر میں تحریر ہے۔ جیسا کہ اسلام کے دو عظیم فلسفی اور

---

[1] شرح اصول کافی، ملاصدرا، ج ۱، ص ۲۵۱، کتاب التوحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ۔ نقد النصوص، جامی، ص ۲۷، و ۲۸۔

امامِ فن جناب شیخ ابوعلی سینا اور صدالمتالہین[1] نے اشارات[2] کے آخر اور اسفار[3] کے شروع میں اس سلسلے میں جو وصیت (تاکید) بلیغ فرمائی ہے ان کی طرف رجوع کریں۔

مگر اثبات وجود باری و (اثبات) توحید و تقدیس و تنزیہ باری تعالیٰ کیلئے ذات الٰہی میں غور و فکر کرنا (یہ تو) بعثت انبیاءؑ کا مقصد اور عرفاء کی امیدوں کا مرکز ہے۔ قرآن مجید اور احادیث بھری پڑی ہیں کہ ذات و کمالات و اسماء و صفات ذات مقدس خدا کا علم حاصل کیا جائے اور ملحدین اسماء کی تو خدا بھی مذمت کرتا ہے۔ حکماء کی کتابیں ہوں یا متکلمین کی، کسی نے بھی اثبات ذات و اسماء و صفات کے بارے میں غور کرنے کیلئے اس قدر تاکید نہیں جتنی قرآن مجید اور حدیث کی معتبر کتابوں مثلاً: ''اصول کافی، توحید صدوق'' وغیرہ نے کی ہے۔ انبیاءؑ کے منقولات اور حکماء کی کتابوں میں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ جیسا کہ فقہ اور ان احادیث کے اندر جو مسائل فقہ کو بیان کرتی ہیں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے، اصل معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ مصیبت یہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں کے دوران اہل علم کے لباس میں کچھ جاہل پیدا ہو گئے ہیں جو نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ پرکھتے ہیں اور کتاب و سنت سے جاہل ہیں، صرف اپنا بازار چمکانے کیلئے اپنی جہالت کی بنا پر مبدأ و معاد کے علم کو باطل قرار دیتے ہیں، معارف (الٰہی) میں غور و فکر کو جو انبیاء و اولیاء کا انتہائی مقصد ہے اور کتاب و سنت اس سے بھری پڑی ہیں، حرام سمجھتے ہیں اور وہ اہل معرفت پر ہر قسم کی

---

[1] محمد بن ابراہیم شیرازی، (۹۷۹۔ ۱۰۵۰ھ) ملقب بہ صدر الدین و صدر المتالہین، معروف بہ ''صدرا و ملا صدرا'' کا شمار عظیم مسلمان فلاسفہ میں ہوتا ہے۔ آپ حکمت متعالیہ کے بانی ہیں۔ فلسفہ میں بدیع و بے مثال آراء کے مالک ہیں۔ آپ کا فلسفی مکتب فکر آپ کے بعد دوسروں کے مکاتب فلسفہ پر غالب آ گیا۔ آپ کے بعد کے اکثر فلاسفہ آپ ہی کے مکتب کے پیرو شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی اہم تصنیف ''اسفار اربعہ'' ہے جس میں وسیع پیمانے پر آپ کے نظریات موجود ہیں۔ دیگر تصانیف میں: تفسیر قرآن، شرح اصول کافی، مبدء و معاد، مفاتیح الغیب، شواہد الربوبیۃ، اسرار الآیات، حاشیہ بر شفا وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں محقق میر باقر داماد، میر فندرسکی اور شیخ بہائی قابل ذکر ہیں اور آپ کے شاگردوں میں ملا محسن فیض، عبدالرزاق لاہیجی (فیاض) وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

[2] اشارات، ج ۳، ص ۴۱۹، (خاتمہ و وصیہ)۔

[3] اسفار، ج ۱، مقدمہ، ص ۱۔

تہمت اوران میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور اگر ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ یہ سب لوگوں کو کافر قرار دینے اور فاسق قرار دینے سے کیا فائدہ؟! تو وہ لوگ لَا تَتَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ[1] ''خدا کی ذات میں غوروفکر مت کرو'' والی حدیث کا سہارا لیتے ہیں! یہ بے چارے دو جہت سے غلطی و جہالت میں مبتلا ہیں:

ایک یہ ہے کہ ان کو گمان ہے کہ حکماء کنہ ذات میں غوروفکر کرتے ہیں! حالانکہ وہ لوگ کنہ ذات میں تفکر کو محال (و ناجائز) جانتے ہیں اور یہ چیز حکماء کے یہاں دلیل و برہان سے ثابت ہے۔

دوسری یہ کہ حدیث کا مطلب نہ سمجھ کر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ ذات مقدس کے بارے میں مطلقاً کوئی گفتگو وغوروفکر نہ کیا جائے! میں اب چند روایتوں کو ذکر کر کے، نظر قاصر کے مطابق ان کا مجموعی موازنہ کروں گا اور پھر انصاف سے فیصلہ کروں گا۔ اگر چہ یہ بات شرح حدیث اور ہمارے مقصد سے قدرے خارج ہے لیکن ابطال باطل اور رفع شبہہ کیلئے ضروری ہے:

۱۔ کتاب کافی میں جناب ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

تَکَلَّمُوْا فِیْ خَلْقِ اللّٰہِ وَ لَا تَتَکَلَّمُوْا فِی اللّٰہِ. فَاِنَّ الْکَلَامَ فِی اللّٰہِ لَا یَزْدَادُ صَاحِبُہٗ اِلَّا تَحَیُّرًا۔

مخلوقات خدا کے بارے میں بات کرو، لیکن خدا کے بارے میں بات نہ کرو، کیونکہ خدا کے بارے میں کلام کرنے والے کو حیرانی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا''۔[2]

اس حدیث کی دلالت خود ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ تکلم سے مراد کنہ ذات اور اس کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرنا ہے، کیونکہ جو علت بیان کی گئی ہے اسی سے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ اثبات ذات و کمالات اور توحید و تنزیہ سے متعلق بحث کرنا تحیر کا سبب نہیں ہوا کرتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ممانعت ان لوگوں کیلئے ہو جن کیلئے ان مقامات میں بحث کرنا سبب تحیر ہوتا ہو۔ مرحوم علامہ مجلسیؒ نے بھی ان دونوں امکانات کا ذکر ہماری ترتیب و استدلال کے بغیر کیا ہے اور پہلے والے امکان کو تقویت بخشی ہے۔[3]

---

[1] تفسیر القرآن الکریم، ج ۴، ص ۴۲۱۔ اسی طرح یہ مفہوم مختلف عبارتوں کے ساتھ نقل ہوا ہے۔

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۹۲، کتاب توحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۱۔

[3] مراۃ العقول، ج ۱، ص ۳۲۲، کتاب توحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، پہلی حدیث ۱۔

۲۔حریز سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تَکَلَّمُوا فِیْ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَا تَتَکَلَّمُوْا فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ۔

ہر چیز کے بارے میں بات کرو (مگر) ذات خدا کے بارے میں بات نہ کرو۔[1]

اسی مضمون اور اسی سے ملتی جلتی دیگر روایات بھی آئی ہیں، لیکن سب کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ایک اور حدیث میں امام علیہ السلام کا فرمان ہے:

اِیَّاکُمْ وَالتَّفَکُّرَ فِی اللّٰہِ وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتُّمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی عَظَمَتِہٖ

فَانْظُرُوْا اِلٰی عَظِیْمِ خَلْقِہٖ۔

خبردار! خدا کے بارے میں غور وفکر نہ کرنا، لیکن اگر تم اس کی عظمت کو دیکھنا چاہو تو

اس کی عظیم مخلوق کی طرف دیکھو (اور غور وفکر کرو)۔[2]

اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں فکر سے مراد کنہ ذات خدا کے بارے میں غور وفکر ہے، کیونکہ حدیث کے ذیل میں ہے: ''اگر تم عظمت حق کو دیکھنا چاہو تو عظمت مخلوق سے عظمت خالق پر استدلال کرو'' اور یہ بطور مثال ہے اور یہ ان لوگوں کیلئے ہے جن کی معرفت کا طریقہ یہی ہے کہ مخلوق میں غور وفکر کرتے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری حدیثیں جو اسی مطلب کے قریب ہیں اور تکلم وفکر کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، ان کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ یہ بذات خود ہمارے مقصد اور مدعا پر دلالت نہیں کرتیں۔

کافی کی ایک حدیث جو باب تفکر کے سلسلے میں آئی ہے وہ ہمارے مقصد کو اچھی طرح واضح کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ اِدْمَانُ التَّفَکُّرِ فِی اللّٰہِ وَفِیْ قُدْرَتِہٖ۔

سب سے افضل عبادت خدا اور اس کی قدرت میں غور وفکر کرتے رہنا ہے۔[3]

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۹۲، کتاب توحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، پہلی حدیث کا آخری حصہ۔

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۹۳، کتاب توحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۷۔

[3] بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۲۵، کتاب ایمان وکفر، باب تفکر، حدیث ۱۶۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۵۴، حدیث ۲۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اور اس کی ذات اور قدرت کے اثبات کیلئے نیز اس کی دیگر صفات و اسماء کے بارے میں غور وفکر سے نہ صرف منع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ تمام عبادتوں میں افضل عبادت ہے۔ کافی شریف میں نقل ہوا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

انَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلِمَ اَنَّهٗ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ مُتَعَمِّقُوْنَ.
فَاَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ﴾ وَالْاٰیَاتِ مِنْ سُوْرَةِ الْحَدِیْدِ اِلٰی
قَوْلِهٖ: ﴿وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ فَمَنْ رَّامَ وَرَآءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ۔
خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانے میں گہری نظر رکھنے والے لوگ ہوں گے اس
لئے اس نے ﴿قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ﴾ اور سورۂ حدید کی وہ آیات جو ﴿وَهُوَ عَلِیْمٌ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ کی عبارت پر ختم ہوتی ہیں نازل کیں، اب جو اس کے ماوراء کا
خواہشمند ہے وہ ہلاک ہوا۔[1]

اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ آیات شریفہ جو توحید و تنزیہ، حق و بعث اور مخلوقات کے (خدا کی طرف) رجوع کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں وہ گہری نظری رکھنے والوں اور سنجیدگی سے سوچنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے بارے میں غور وفکر حرام ہے؟ کیا کوئی عارف یا حکیم ان معارف سے زیادہ جو سورۂ حدید کی ابتدا میں بیان کئے گئے ہیں لا سکا ہے؟ ان کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ﴾[2] تک پہنچ سکیں۔ کیا آیہ مجیدہ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝﴾[3] سے بہتر عبارت میں خدا کی صفت اور اس کی ذات کے جلووں کو بیان کیا جاسکتا ہے؟

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۹۱، کتاب توحید، باب النسبہ، حدیث ۳۔

[2] سورۂ حدید، آیت ۱۔ ترجمہ: ''جو چیز بھی آسمانوں و زمین میں ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے''۔

[3] سورۂ حدید، آیت ۳۔ ترجمہ: ''وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے۔ (اور اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے''۔

ذات مقدس کی قسم! اگر اس آیت کے علاوہ حقانیت قرآن پر کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اہل دل کیلئے کافی تھی۔ آپ ذرا قرآن مجید، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے معصوم جانشینوں علیہم السلام کے خطبوں اور آثار و اخبار کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس قسم کے معارف کا تصور ہوسکتا ہے، ہر موضوع پر ان کے ایسے بیانات موجود ہیں کہ کوئی حکیم و عارف اس سے بہتر بیان نہیں کرسکتا۔ ان حضراتؑ کے کلمات توصیفِ حق اور ذات وصفات مقدس خدا پر استدلالات سے بھرے ہیں اور وہ اس طرح ہیں کہ ہر گروہ اپنے فہم کے اعتبار سے ان سے استفادہ کرسکتا ہے۔

پس ان روایات کے مجموعے سے معلوم ہوا کہ ذاتِ باری کے سلسلے میں صرف ایک تفکر ممنوع ہے۔ یعنی کنہ ذات اور اس کی کیفیت میں تفکر کرنا۔ جیسا کہ کافی کی حدیث شریف میں ہے:

مَنْ نَظَرَ فِی اللهِ کَیْفَ هُوَ هَلَكَ۔

جس نے خدا کی طرف دیکھا کہ وہ کیسا ہے، وہ ہلاک ہوا۔[1]

یا پھر دونوں قسموں کی حدیثوں میں جو غور وفکر سے روکتی ہیں اور جو اجازت دیتی ہیں، اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کے دل برہان سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور اس قسم کے مباحث میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو روکا گیا ہے اور خود روایات میں اس جمع پر دلالت موجود ہے۔ لیکن جو لوگ اہل ہیں ان کیلئے ترجیح دی گئی ہے، بلکہ ان مباحث میں داخل ہونا افضل عبادت ہے۔

بہر حال ہم اپنے مقصد سے خارج ہوگئے، لیکن اس غلط مطلب اور ناحق وغیر پسندیدہ تہمت کا ذکر کئے بغیر چارہ بھی نہیں تھا، کیونکہ یہ چیزیں موجودہ دور میں زبانوں پر آنے لگی ہیں اور شاید کسی کا دل اس سے متاثر ہوجائے۔ اگر ایک شخص بھی اس کو قبول کرلے تو میرے لئے کافی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ اِلَیْهِ الْمُشْتَكٰی۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۹۳، کتاب توحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۵۔

[2] ترجمہ: تمام تعریفیں خدا کیلئے مخصوص ہیں اور اسی کی بارگاہ میں اپنی شکایت پیش کرتا ہوں۔

دوسری فصل: مصنوعات میں تفکر

تفکر کے درجات میں سے ایک خدا کی عمدہ صنعتوں اور ان کی مضبوطی نیز تخلیق کی باریکیوں کے بارے میں اتنا غور وفکر کرنا ہے جس قدر بشری طاقت کے بس میں ہے۔ اس کا نتیجہ صانع حکیم اور مبدأ کامل (خدا) کے بارے میں علم (کی صورت میں ظاہر) ہوتا ہے۔ یہ طریقہ صدیقین کے برہان کے برعکس ہوتا ہے، کیونکہ وہاں پر مبدأ برہان حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس کے علم سے تجلیات ومظاہر وآیات (خدا) کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہاں پر مبدأ برہان مخلوقات ہوتی ہیں۔ ان کے واسطہ سے مبدأ وصانع کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ برہان عوام کیلئے ہے، ان کا برہان صدیقین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے ہوسکتا ہے بہت سے لوگ اس بات کا انکار کردیں کہ حق مبدأ کے بارے میں علم خود کی ذات کے بارے میں علم حاصل کرنے کا سبب ہوتا اور مبدأ کے بارے میں علم سے مخلوقات کا علم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صنعتوں کی باریکیوں اور خوبیوں کے بارے میں تفکر اور نظام تخلیق کی مضبوطی کے بارے میں سوچنا نفع بخش علوم اور اعمال قلبی کے فضائل میں سے ہے اور یہ تمام عبادتوں سے افضل ہے، کیونکہ ان کا نتیجہ اشرف نتائج ہے۔ اگرچہ تمام عبادتوں کا اصلی راز اور نتیجہ معارف کا حصول ہے، لیکن رازوں کا کشف اور اس کا نتیجہ ہم کو حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ اسکے کچھ اہل ہیں کہ ہر عبادت ان کیلئے مشاہدہ یا مشاہدات کا بنیاد بن جاتی ہے۔ بہرحال صنعت (خدا) کی باریکیوں اور اسرار خلقت کی آگہی درحقیقت ابھی تک کسی کیلئے میسر نہیں ہوئی ہے۔ اسکی بنیاد اتنی مضبوط اور مستحکم ہے اور اس کا نظام اتنا خوبصورت اور از روئے اسلوب اتنا مکمل ہے کہ ہر مخلوق کے بارے میں چاہے وہ کتنا ہی حقیر معلوم ہوتا ہو، اگر بشر اپنے ان تمام علمی کمالات کے ساتھ جو اس نے صدیوں میں حاصل کئے ہیں سنجیدگی سے غور کرے، تب بھی اس کے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ پر اطلاع نہیں حاصل کرسکتا، چہ جائیکہ اس پورے خوبصورت نظام کلی کا اپنی فکر کے ذریعے جائزہ لے اور اپنے ناقص وجزئی افکار سے ان (حقائق) کی باریکیوں اور پیچیدہ رازوں کو سمجھ سکے۔ میں اس وقت آپ لوگوں کی توجہ تخلیق کی بعض ان باریکیوں کی طرف موڑنا چاہتا ہوں جو نسبتاً عقلوں سے نزدیک اور محسوسات میں شمار ہوتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل آپ خود حاصل کرلیں۔

میرے عزیز! سورج اور زمین کے درمیان جو معین فاصلہ ہے اور زمین کی جو مخصوص حرکت ہے اپنے گرد اور سورج کے گرد، اس نسبت کو دیکھو اور اس میں غور و فکر کرو کہ ایک خاص مدار میں زمین کی گردش سے جو شب و روز اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں کتنی مضبوط صنعت اور کتنی مکمل حکمت پر مشتمل ہے! اگر یہ اس ترتیب سے نہ ہوتی یعنی سورج (زمین سے) نزدیک ہوتا یا دور ہوتا تو پہلی صورت میں (شدت) حرارت سے اور دوسری صورت میں سردی کی (شدت) سے زمین کے اندر نہ معدنیات پیدا ہوتیں اور نہ زمین پر نباتات اور پودوں کی زندگی ممکن ہوتی اور اگر اسی نسبت سے زمین ساکن ہوتی تو نہ مختلف موسم ہوتے نہ دن رات اور زمین کا تمام حصہ یا زیادہ حصہ قابل سکونت ہوتا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ''اوج''، یعنی زمین کی سورج سے سب سے زیادہ دوری شمال کی طرف واقع ہے تا کہ حرارت زیادہ نہ ہو جائے اور مخلوقات کو نقصان نہ پہنچے اور ''حضیض'' (زمین کی سورج سے سب سے زیادہ نزدیکی) جنوب کی طرف واقع ہے تا کہ سردی کی شدت سے زمین پر بسنے والوں کو نقصان نہ پہنچے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا (بلکہ) چاند (کی گردش) جو زمینی مخلوقات کی تربیت میں بہت اثر رکھتا ہے، زمین کی گردش کے مخالف رکھی گئی ہے۔ اس طرح کہ سورج جب زمین کے شمالی حصے میں ہے تو چاند جنوبی حصے میں ہوگا یا اس کے برعکس جب وہ (سورج) جنوبی حصے میں ہوگا تو یہ (چاند) زمین کے شمالی حصوں کی طرف واقع ہوگا۔ یہ اس لئے ہے کہ زمین پر بسنے والے ان دونوں سے استفادہ کر سکیں اور یہ محسوس ہونے والے ضروری امور میں سے ہے، لیکن اس نظام کی باریکیوں اور اسرار و رموز کو خالق حقیقی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا، کیونکہ خدا ہی کا علم سب پر محیط ہے۔

اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنی (ہی) تخلیق میں اپنے علم و طاقت کے مطابق سوچے، پہلے تو خود اپنے ظاہری قوائے مدرکہ کے بارے میں غور کرے جن کو محسوسات و مدرکات کے مطابق بنایا گیا ہے تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات کے اندر ہر قسم کے مدرکات کیلئے ان کو درک کرنے والی ایک قوت بھی بنائی گئی ہے، جس کی کیفیت و ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی ہے۔ اور معنوی امور کے ادراک کیلئے جو ظاہری حواس سے ان کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے، باطنی حواس قرار دیئے گئے ہیں۔

علم روح اور نفس کی روحانی قوتوں کو چھوڑیئے، ان پر انسان کو اطلاع ہی نہیں ہوسکتی۔ آپ جسم اور تشریح الابدانی کے علم، جسم کی طبیعی ساخت اور ہر ظاہری و باطنی عضو کے خواص کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے، دیکھئے کتنا منظم نظام اور حیرت انگیز ترتیب ہے! حالانکہ سینکڑوں صدیوں سے علم انسانی اس نظام کے ہزار حصوں میں سے ایک حصے تک بھی رسائی حاصل نہ کرسکا اور تمام دانشور کھل کر اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ انسانی بدن دیگر زمینی مخلوقات کے مقابلے میں ایک ذرّۂ بے مقدار ہے اور زمین اپنے تمام موجودات سمیت نظام شمسی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے اور ہمارا پورا نظام شمسی دیگر شمسی نظاموں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور تمام کلی و جزئی نظامات اتنے مرتب و منظم بنائے گئے ہیں کہ ان کے بارے کوئی ذرہ بھر اعتراض نہیں کرسکتا اور تمام انسانی عقول اس نظام کے اوقات میں سے ایک منٹ کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔

(اب آپ سوچئے) کیا اس غور و فکر کے بعد آپ کی عقل اس بات پر یقین نہیں کرتی کہ ''اس کائنات کے اندر ایک ایسا قادر، حکیم و عالم موجود ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور اسی نے اس حکمت و نظام و ترتیب محکم کے ساتھ موجودات کو پیدا کیا''۔ ﴿اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾[1]۔ یہ تمام منظم خلقت جس کے سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز ہیں، بے ربط اور خود بخود پیدا نہیں ہوئی ہیں؟ اندھی ہوجائیں وہ دل کی آنکھیں جو حق کو نہ دیکھ سکیں اور جمیل کے جمال کو ان موجودات میں مشاہدہ نہ کرسکیں۔ فنا ہوجائے وہ شخص جو ان تمام آثار و نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی شک و تردید میں مبتلا رہے۔ مگر بے چارہ انسان کیا کرے جو خیالات میں گرفتار ہے! اگر آپ اپنی تسبیح لوگوں کو دکھا کر کہیں کہ یہ خود بخود ایک لڑی میں پروئی گئی ہے تو لوگ آپ کی عقل پر خندہ زن ہوں گے۔ اسی طرح جیبی گھڑی کو نکال کر یہی دعویٰ اس کے بارے میں کیجئے (تو سچ بتایئے) کیا لوگ آپ کو عاقلوں کی فہرست سے خارج کریں گے کہ نہیں؟ اور آپ کو پاگل کہیں گے کہ نہیں؟ جس نے اس سادہ جزئی نظام کو علل و اسباب کے سلسلے سے خارج جانا ہے، لوگوں نے اسے مجنون مانا اور عقلاء کے زمرے سے محروم جانا ہے۔

---

[1] سورۂ ابراہیم، آیت ۱۰۔ ترجمہ: ''کیا تمہیں اللہ کے بارے میں بھی شک ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے''۔

پس اس شخص کے ساتھ کیا (برتاؤ) کرنا چاہیے جو اس نظام کائنات کو نہیں، بلکہ اس انسان اور اس کے روح و بدن کے نظام کے بارے میں یہ دعوے کرتا ہے کہ ''یہ تو خود بخود پیدا ہو گیا ہے''۔ کیا اس کے بعد بھی اس کو عاقلوں کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ کون بے وقوف اس سے زیادہ احمق ہے؟ ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾[1] مردہ باد وہ انسان جو علم سے زندہ نہ ہو اور اپنے بحر ضلالت میں غوطہ زن رہے۔

(جاری ہے)

*****

عید الفطر کے دن کی فضیلت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

اِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ شَوَّالٍ نَادَى مُنَادٍ: اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ! اغْدُوْا اِلٰى جَوَآئِزِكُمْ. ثُمَّ قَالَ: يَا جَابِرُ! جَوَائِزُ اللّٰهِ لَيْسَتْ بِجَوَآئِزِ هٰؤُلَآءِ الْمُلُوْكِ. ثُمَّ قَالَ هُوَ يَوْمُ الْجَوَآئِزِ۔

جب شوال کا پہلا دن ہوتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے: اے مؤمنو! اپنے انعامات کی طرف دوڑ پڑو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! خداوند عالم کے انعامات دنیا کے بادشاہوں اور حاکموں کے انعاموں کے مانند نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا: ''شوال کا پہلا دن الٰہی انعامات کا دن ہے۔

(الکافی، ج ۸، ص ۱۶۸)

---

[1] سورۂ عبس، آیت ۱۷۔ ترجمہ: ''انسان اس بات سے مارا گیا کہ کس قدر ناشکرا ہو گیا ہے''۔